BNHS102GET

تاریخ ہندوستان

آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے سولہویں صدی عیسوی کی اوائل تک-1

History of India

Mid-8th Century AD to Early 16th Century AD-1

بی۔کام۔(آنرس)

چارسالہ پروگرام

پہلا سمسٹر (تاریخ)

مرکز برائے فاصلاتی وآن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد۔32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2025, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

Course : History of India Mid-8th Century AD to Early 16th Century AD-1
First Edition : September 2025
Copies : 500
Price : 142/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Vidya Vachaspati Shaik Mahaboob Basha, Associate Professor (History), CDOE, MANUU

Editorial Board/Editors

Vidya Vachaspati **Shaik Mahaboob Basha**
Associate Professor (History), CDOE, MANUU

Dr. Syed Meer Abul Hussain
Asst. Prof. (C) / Guest Faculty, CDOE, MANUU

Mr. Mohd Aasim
Asst. Prof. (C) / Guest Faculty, CDOE, MANUU

Dr Ikramul Haque
Asst. Professor, Dept. of History, MANUU

Dr Zeyaul Haque
Asst. Professor, CAS, Dept. of History, AMU

Dr. Daud Ibrahim
Guest Faculty, Dept. of History, MANUU

Dr. Khursheed Ahmad Bhatt
Guest Faculty (History), Lucknow Campus, MANUU

Prof. S.M. Azizuddin Husain
Former Head, Dept. of History & Culture, JMI

Prof. Mushtaq Ahmad Kaw
Former Head, Dept. of History, MANUU

Prof. Perwez Nazir
Centre for Advanced Studies, Dept. of History, AMU

Prof. Danish Moin
Dept. of History, MANUU

Prof. Alauddin Khan
Head, Dept. of History, Shibli National College

Dr Samana Zafar
Asst. Professor, Dept. of History & Culture, JMI

Prof. Naseemuddin Farees
CDOE, MANUU (Language Editor)

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla,
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C)/Guest Faculty,
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer,
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC,
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education
Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in*
Phone number: 040-23008314 Website: *manuu.edu.in*

CRC Prepared by Dr. Syed Meer Abul Hussain, Faculty of History, CDOE, MANUU
Printed at Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر (اردو)	7

اکائی نمبر	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ نمبر
1۔	آٹھویں صدی میں ہندوستان کے سیاسی حالات	ڈاکٹر سید میر ابوالحسین	9
2۔	راجپوت: سیاست	ڈاکٹر سید میر ابوالحسین	23
3۔	پال خاندان	پروفیسر ایس۔ چاندنی بی	36
4۔	پرتی ہار خاندان	پروفیسر ایس۔ چاندنی بی	50
5۔	راشٹر کوٹ خاندان	پروفیسر ایس۔ چاندنی بی	62
6۔	چوہان خاندان	پروفیسر ایس۔ چاندنی بی	74
7۔	سماج اور ثقافت	جناب محمد عاصم	92
8۔	عرب	ڈاکٹر احمد	109
	تجویز کردہ اکتسابی مواد		124

مصنفین کی تفصیلات

(Writers' Details)

Dr. Syed Meer Abul Hussain Asst. Prof. (C) / Guest Faculty, CDOE, MANUU	ڈاکٹر سید میر ابوالحسین، سی ڈی او ای، مانو، حیدرآباد
Prof. Chandini Bi Centre for Advanced Studies, Dept. of History, AMU	پروفیسر چاندنی بی، سی اے ایس، شعبہ تاریخ، اے ایم یو، علی گڑھ
Mr. Mohd Aasim Asst. Prof. (C) / Guest Faculty, CDOE, MANUU	جناب محمد عاصم، سی ڈی او ای، مانو، حیدرآباد
Dr. Ahmad PGT History, MANUU Model School, Hyderabad	ڈاکٹر احمد، پی جی ٹی، مانو ماڈل اسکول، حیدرآباد

پروف ریڈرس (Proofreaders)

اول : محمد عاصم

دوم : سید میر ابوالحسین

فائنل : شیخ محبوب باشا

ٹائٹل پیج (Title Page): ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی(MANUU)، 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ +A حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات واطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثرانداز ہوگا۔
فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم وتدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائرکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام اوڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراؤتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انھیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضاءاللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

عزیز طلبا! آداب۔ کورس "تاریخ ہندوستان: آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے سولہویں صدی عیسوی کی اوائل تک-1" میں خوش آمدید۔ این ای پی-2020 کے تقاضوں کے مطابق تاریخ کے مضمون پر یہ خود اکتسابی مواد، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے فاصلاتی تعلیم کے ان طلبا کے لیے تیار کیا گیا ہے جو چار سالہ بی کام پروگرام کے سمسٹر اول میں داخل ہو چکے ہیں۔ پہلے بلاک میں آٹھویں سے بارہویں صدی کے درمیان شمالی ہندوستان کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور مذہبی حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ساتھ ہی عربوں کے سیاسی عروج اور ان کے ہندوستان سے تعلقات کے ساتھ ساتھ غزنویوں اور غوریوں کی سیاسی تاریخ کا ہندوستانی پس منظر میں احاطہ کیا گیا ہے۔ دوسرا بلاک تاریخ نویسی کے مختلف ماخذ اور دہلی سلطنت کے قیام اور استحکام میں مملوک خاندان کی کوششوں کا احاطہ کرتا ہے۔

حالیہ دور تک، تاریخ کو بادشاہوں اور شہنشاہوں کے عظیم کارناموں/بداعمالیوں کے طور پر سمجھا جاتا تھا۔ ملکائیں بھی زیادہ تر اپنے عظیم مردوں کے تعلق کی وجہ سے ظاہر ہوئیں۔ دوسرے لفظوں میں، تاریخ کو بادشاہوں اور ریاستوں، شہنشاہوں اور سلطنتوں، کے ناموں کی ایک لمبی فہرست سمجھا جاتا تھا۔ اس میں ان کے ذریعے لڑی جانے والی جنگوں اور ان کی محبوباؤں وغیرہ کا تذکرہ بھی شامل تھا۔ مختصراً، تاریخ کا مطلب سیاسی تاریخ تھا اور بدقسمتی سے یہ سوچ عام لوگوں کے ذہنوں پر ابھی بھی حاوی ہے۔ عام لوگ، محنت کش عوام، جو اصل تاریخ ساز تھے، شاید ہی کبھی تاریخ کے ڈرامے میں نظر آئے۔ لیکن، اب تاریخ کے بارے میں نقطہ نظر بڑی حد تک تبدیل ہو چکا ہے اور اسی لیے تاریخ لکھنے کا طریقہ بھی بدل گیا ہے۔ عام لوگ بشمول مرد و خواتین، نے تاریخ میں اپنے حصے کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب تاریخ کی توجہ حکمرانوں سے رعایا کی طرف منتقل ہو رہی ہے۔ جیسا کہ تیلگو شاعر سری سری (سری رنگم سری نواس راؤ) نے اپنی نظم میں مناسب طریقے سے بیان کیا ہے، اب مورخین اس کی کھوج کرنا چاہتے ہیں اور 'تاریخ کے اندھیرے میں دبی پڑی سب کہانیوں پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ پوچھنے لگے کہ دریائے نیل کی تہذیب میں عام زندگی کیسی تھی اور تاج محل کی تعمیر میں پتھر ڈھونے والے قلی کون تھے اور سلطنتوں کے باہمی جنگوں میں عام لوگوں کی بہادری کیسی تھی۔ ناوہ ڈولی گنتی کی تھی چڑھ بیٹھا جس پر راجا، اس کے وا ہک کلی کون تھے؟' یہ بے حد ضروری ہے کہ تاریخ کا مطالعہ عام لوگوں کے نقطۂ نظر سے کیا جائے۔ مشہور ادیب جارج اورویل نے تاریخ کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ: 'جو ماضی کو قابو کرتے ہیں وہی مستقبل کو قابو کرتے ہیں: جو حال کو قابو کرتے ہیں وہی ماضی کو قابو کرتے ہیں۔' ممتاز مورخ پروفیسر کے ایس ایس شیشن نے زور دیا کہ 'تاریخ کا سماج سے وہی رشتہ ہے جو یادداشت کا فرد سے ہے۔' ودیاواچسپتی ایس ایم باشا کے مطابق جو ماضی کو اچھے سے سمجھتے ہیں، وہ حال کو بہترین طریقے سے سمجھ سکتے ہیں؛ اور اسی طرح ماضی کو اچھے ڈھنگ سے سمجھنے کے لیے حال کا گہرا علم ضروری ہے۔

UGC-DEB کی ہدایات کے مطابق، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے خود اکتسابی مواد لکھنے کے لیے بہترین مصنفین کو راغب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ یہ نہ صرف آپ کی تعلیمی کارکردگی کے لیے کارآمد ثابت ہوگا بلکہ مختلف مسابقتی امتحانات کو اعتماد کے ساتھ دینے کے قابل بھی بنائے گا۔ ہم شعبہ تاریخ، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم میں، آپ کی خدمت کے لیے ہر وقت تیار ہیں۔ کورس میں ایک بار پھر خوش آمدید۔ میں آپ کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کرتا ہوں۔

ودیا واچسپتی شیخ محبوب باشا

کورس کوآرڈی نیٹر

تاریخ ہندوستان

آٹھویں صدی عیسوی کے وسط سے سولہویں صدی عیسوی کی اوائل تک-1

History of India

Mid-8th Century AD to Early 16th Century AD-1

اکائی 1۔آٹھویں صدی میں ہندوستان کے سیاسی حالات

(Political Conditions in India at 8th Century)

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 سیاسی صورت حال

1.3 پال خاندان

1.4 پرتی ہار خاندان

1.5 راشٹر کوٹ خاندان

1.6 سیاسی تنظیم

1.7 اکتسابی نتائج

1.8 فرہنگ

1.9 نمونہ امتحانی سوالات

1.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات

1.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

1.0 تمہید (Introduction)

چھٹی صدی میں آخری حصے میں گپت سلطنت کے زوال کے ساتھ ہندوستانی تاریخ کے ایک اہم دور کا خاتمہ ہو گیا۔ گپت سلطنت کے زوال کے گہرے سیاسی اثرات مرتب ہوئے۔ سب سے اہم یہ تھا کہ مگدھ جو پچھلے ایک ہزار سال سے زیادہ عرصے تک ہندوستانی سیاست کا مرکز رہا تھا، لیکن گپت سلطنت کے زوال کے ساتھ ہی اس کی یہ اہمیت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی اور اس کی جگہ قنوج، شمالی ہندوستان کے سیاسی اقتدار کا مرکز بن کر ابھرا۔ ساتویں صدی کے آغاز مین قنوج کے تخت شاہی پر ہرش کی تخت نشینی کے ساتھ قنوج کو اس حد تک عروج حاصل ہوا کہ آئندہ مکمل ایک صدی تک تین طاقتوں نے اس پر اقتدار قائم کرنے کے لیے باہم شدید جدوجہد کی۔ کسی عظیم سلطنت کے زوال کا فوری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اقتدار کے مختلف خود مختار مراکز اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ یہی حال گپت سلطنت کے زوال کے بعد ہوا اور ہندوستان کے طول و عرض میں اقتدار کے متعدد خود مختار مراکز قائم ہوگئے۔ ہندوستان میں یہ کثیر ریاستی نظام کی توسیع کا دور تھا۔ متعدد برائیوں کے باوجود یہ کثیر ریاستی نظام اس عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشی زندگی کی بنیاد تھا۔ سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس عہد میں وسیع سماجی اور معاشی بدلاؤ بھی آئے۔ ذات پات کا نظام مزید بے لچک اور سخت ہو گیا اور سماج پہلے سے زیادہ بنیاد پرست بن گیا۔ علاوہ ازیں معیشت کے زوال کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں اور ہر جگہ جاگیرداری یا سامنتی نظام کا بول بالا ہونے لگا۔

ہرش وردھن کے عہد حکومت تک کچھ حد تک شمالی ہند کی سیاسی وحدت قائم رہی، لیکن ہرش کی موت (647ء) کے ساتھ ہی اس کا شاہی خاندان اور ریاست دونوں ہی ختم ہوگئے اور پورے شمالی ہندوستان میں سیاسی بے یقینی کی فضا قائم ہو گئی جس کا خاتمہ صرف 1206ء میں دہلی سلطنت کے قیام کے بعد جا کر ہوا۔ اسی پس منظر میں نئے شاہی خاندانوں اور ریاستوں کو ابھرنے کا موقع ملا۔ محمود غزنوی کے حملے کے وقت ہم جن ریاستوں کو پاتے ہیں ان میں سے زیادہ تر کو اسی دور میں عروج حاصل ہوا۔ ان کی حیثیت سیاسی اندھیرے میں ٹمٹاتے چراغوں کی سی تھی۔

1.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- آٹھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کے سیاسی حالات کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- سہ طرفہ جدوجہد کے حوالے سے قنوج کی بڑھتی ہوی اہمیت بیان کر سکیں گے۔
- سہ طرفہ جدوجہد میں شامل طاقتوں کے بارے میں جان سکیں گے۔
- جنوبی ہند کے طاقتور حکمراں خاندانوں کا سرسری جائزہ لے سکیں گے۔
- سندھ میں مسلمانوں کی آمد اور اس کی فتح کے اثرات بیان کر سکیں گے۔

1.2 سیاسی صورت حال (Political Conditions)

ہرش کے کٹر مخالف اور طاقتور حریف 'ششانک' کی موت کے بعد بنگال میں لگ بھگ ایک صدی تک بد نظمی پھیلی رہی۔ کسی طاقتور مرکزی حکومت کی غیر موجودگی میں پھیلی اس بد نظمی اور افراتفری سے تنگ آکر وہاں کے لوگوں نے 850ء کے قریب کسی گوپال نامی شخص کو اپنا حکمراں چن لیا، جو بنگال کے مشہور پال خاندان کا بانی بنا۔ وسطی اور مغربی ہند میں بھی متعدد سیاسی خاندانوں کو عروج حاصل ہوا۔ 712ء محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کی فتح سندھ کے بعد سے سندھ عربوں کے قبضے میں تھا جن کے دو مرکز تھے ملتان اور منصورہ۔ جنوبی ہند کی حالت شمال سے یکسر مختلف تھی۔ جہاں شمال میں سیاسی بے یقینی پھیلی تھی وہیں جنوب میں طاقتور اور عظیم سلطنتوں کا عروج اسی دور میں ہوا۔ تنجاور کے عظیم چولوں کے بعد دنتی درگ کی قیادت میں راشٹر کوٹوں کو عروج حاصل ہوا جو تقریباً دسویں صدی تک نہ صرف جنوبی ہند کی عظیم طاقت بنے رہے بلکہ شمال کی سیاست میں بھی فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ دکن میں وینگی کے مشرقی چالوکیوں کی حکومت تھی جو کہ جنوب میں سب سے زیادہ وقت تک قائم رہنے والی ریاست تھی۔ ان کے نزدیک ہی آندھرا کے شری کاکلم ضلع کے آس پاس مشرقی گنگوں کی ریاست تھی۔ جنوب بعید میں کانچی کے پلووں کے زوال کا آغاز ہو گیا تھا اور نویں صدی کے آخر تک ان کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ پلووں کے زوال کا سب سے زیادہ فائدہ علی الترتیب پانڈیوں اور چولوں نے اٹھایا۔ راشٹر کوٹوں کے ہمعصر مغربی گنگ بھی جنوب بعید میں کافی طاقتور تھے۔

آٹھویں صدی کے وسط میں ہندوستان کے تین کونوں میں تین طاقتور شاہی خاندانوں کو عروج حاصل ہوا۔ یہ تھے مشرقی اور شمالی ہندوستان میں پال خاندان، مغربی ہندوستان اور بالائی وادی گنگا میں پرتی ہار خاندان اور دکن میں راشٹر کوٹ خاندان۔ قنوج کو اس وقت پورے شمالی ہندوستان کے پایہ تخت کی اہمیت حاصل تھی جس کی وجہ سے یہ تینوں ریاستیں اس پر قبضے کے لیے پوری کوششیں کرتی تھیں۔ اس طرح وہ پورے شمالی ہند پر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتی تھیں۔ ان کی اس جدوجہد کو 'سہ طرفہ جدوجہد' (Trianguler Struggle) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ تمام سلطنتیں آپس میں لڑتی رہتی تھیں، لیکن انہوں نے اپنی ریاستوں میں زندگی کو پرسکون بنایا اور ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ ان تینوں میں راشٹر کوٹ سلطنت سب سے زیادہ عرصے تک قائم رہی، یہ نہ صرف اس عہد کی سب سے طاقتور سلطنت تھی بلکہ اس نے معاشی اور تہذیبی میدانوں میں شمال اور جنوب کے درمیان ایک پل کا کام بھی کیا۔

مگدھ کے زوال کے بعد ہرش کے تحت قنوج کے عروج کے بعد سے ہی اسے شمالی ہندوستان پر اقتدار کی علامت مانا جاتا تھا۔ سلطنت عہد میں یہ مقام دلی کو حاصل ہوا۔ قنوج گنگا کے کنارے واقع تھا جہاں سے مختلف حصوں تک دریائی راستے سے بآسانی فوج بھیجی جاسکتی تھی اور گنگا کے ذریعے ہونے والی تجارت کو کنٹرول کیا جاسکتا تھا۔ اس کے ذریعے گنگا کے وسیع میدانوں پر بھی گرفت رکھی جاسکتی تھی۔ قنوج پر قبضے کا مطلب وادی گنگا کے بالائی حصے نیز اس حصے میں موجود وافر زرعی اور تجارتی وسائل کا حصول تھا۔ مزید یہ کہ بنارس سے جنوبی بہار تک کے وسائل سے پُر علاقوں پر تسلط کے لیے بھی پال حکمرانوں اور پرتی ہار حکمرانوں کے درمیان مقابلہ آرائی ہوئی۔ یہ علاقے بھی نہایت زرخیز اور خوش حال تھے۔ اس علاقے پر قبضے کے لیے پرتی ہاروں کو راشٹر کوٹ حکمرانوں سے بھی مقابلہ کرنا پڑا، جس میں وہ ہمیشہ راشٹر کوٹوں کے

ہاتھوں شکست سے دوچار ہوئے اور ان کا ایک عظیم ریاست کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔

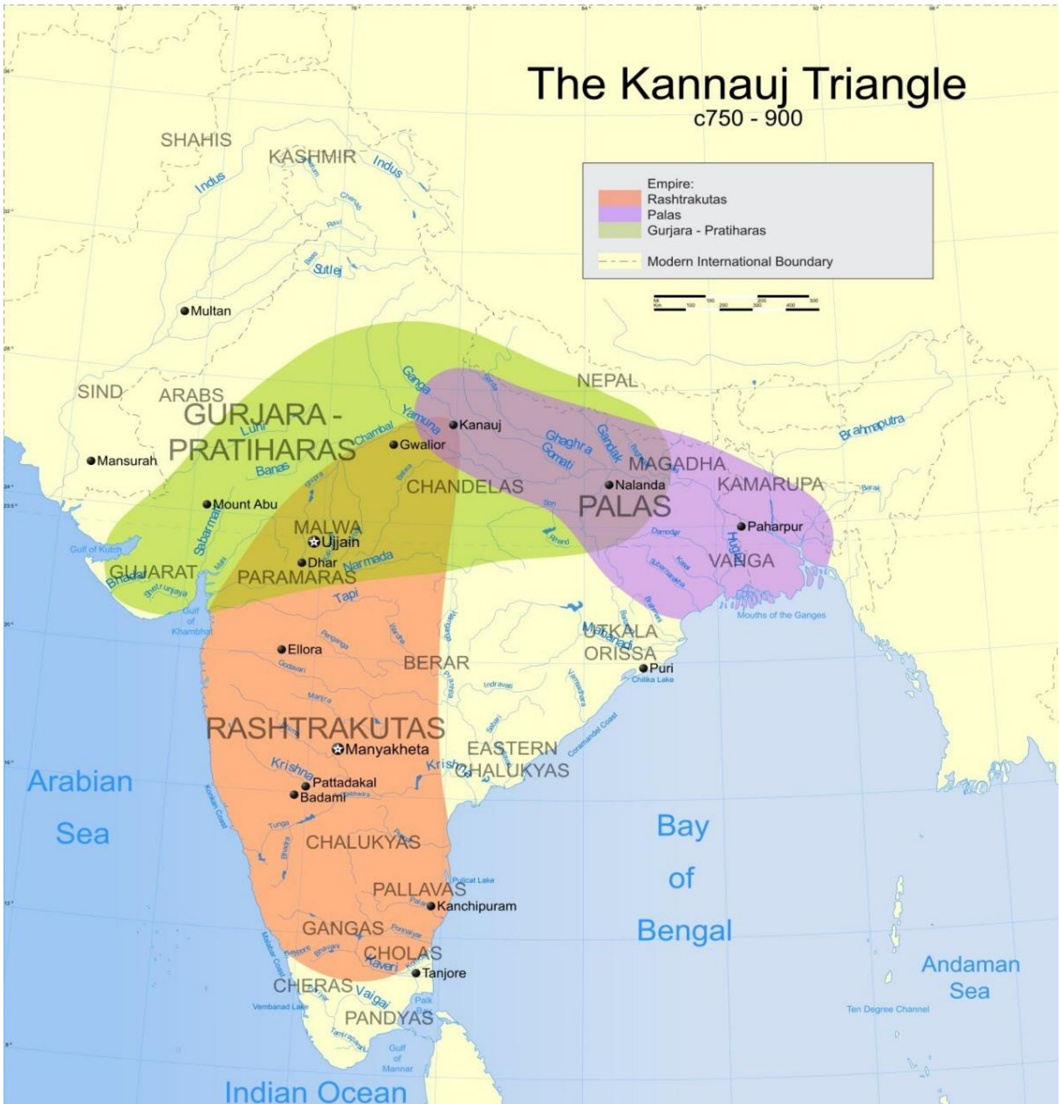

قنوج کے لیے سہ طرفہ جدوجہد

https://en.wikipedia.org/wiki/Tripartite_Struggle#/media/File:Indian_Kanauj_triangle_map.svg

1.3 پال خاندان (Pala Dynasty)

پال سلطنت تقریبا750 میں گوپال نے اس وقت قائم کی تھی جب اس علاقے کے معزز لوگوں نے اس علاقے میں پھیلی ہوئی تمام لاقانونیت کو ختم کرنے کے لیے اسے اپنا راجا چن لیا تھا۔770 میں اس کا بیٹا دھرم پال اس کا جانشین بنا جس نے 810 تک حکومت کی۔ دھرم پال کو راشٹر کوٹ راجا دھرو کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ راجا دھرو اس سے پہلے پرتی ہار راجا کو بھی شکست دے چکا تھا لیکن ان علامتی فتوحات کے بعد راجا دھرو دکن واپس لوٹ گیا جس کی وجہ سے دھرم پال کو اپنی حالت مضبوط بنانے میں دیر نہیں لگی۔ دھرم پال نے قنوج پر اپنا اقتدار قائم

کر کے ایک شاندار دربار لگایا جس میں پنجاب، مشرقی راجستھان وغیرہ کے ماتحت راجاؤں نے شرکت کی تھی لیکن دھرم پال قنوج پر اپنے اقتدار کو مضبوطی سے قائم نہ رکھ سکا۔ ناگ بھٹ دوم کے عہد میں پرتی ہار طاقت ایک بار پھر زور پکڑ گئی۔ دھرم پال پیچھے ہٹ گیا لیکن بہار میں مونگیر کے قریب اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ بہار اور موجودہ مشرقی اتر پردیش پر اقتدار کے سوال پر پال اور پرتی ہار حکمرانوں کے درمیان برابر مقابلہ آرائی ہوتی رہی لیکن بیشتر عرصے تک بنگال کے ساتھ ساتھ بہار پر بھی پال حکمرانوں کا تسلط رہا۔

شمال میں ناکام رہنے کے بعد پال حکمرانوں نے اپنی توانائیوں کو دوسرا موڑ دے دیا۔ دھرم پال کے بیٹے دیوپال نے جو کہ 810 میں گدی نشین ہوا اور جس نے 60 سال تک حکومت کی، پراگ جیوتش پور (آسام) نیز اڑیسہ کے کچھ حصوں تک اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ شاید موجودہ نیپال کا بھی ایک حصہ پال حکمرانوں کے زیر اقتدار آ گیا تھا۔

اس طرح آٹھویں صدی کے وسط سے نویں صدی کے وسط تک یعنی تقریباً سو سال تک پال حکمرانوں نے مشرقی ہندوستان پر اپنا اقتدار قائم رکھا۔ کچھ عرصے کے لیے ان کے اقتدار کا دائرہ بنارس تک پھیل گیا تھا۔ ایک عرب تاجر سلیمان کے سفر نامے سے پال حکمرانوں کے زیادہ طاقتور ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ سلیمان تاجر نے نویں صدی کے وسط میں ہندوستان کا سفر کیا تھا اور اپنے سفر کا حال تحریر کیا تھا۔ اس نے پال سلطنت کو روحم (یا دھرم پال کا مخفف و ترم) کہا ہے۔ اس کے تذکرے سے پتہ چلتا ہے کہ پال حکمران اپنے پڑوسی پرتی ہار حکمرانوں اور راشٹر کوٹ حکمرانوں سے جنگ کرتا رہتا تھا لیکن اس کی فوجیں دشمن کی فوجوں سے بہت زیادہ تھیں۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ پال راجا پچاس ہزار ہاتھیوں کے ساتھ جنگ میں جایا کرتے تھے اور دس پندرہ ہزار افراد اس کی فوج میں کلف دینے اور کپڑا دھونے کے لیے مامور کیے گئے تھے۔ اس بات سے ہی پال حکمرانوں کی فوجوں کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

پال حکمرانوں کے بارے میں تبتی روزناموں سے یہ بھی ہو پاتا ہے اگرچہ یہ سترہویں صدی میں لکھے گئے تھے ان کے مطابق پال حکمران بودھ دھرم اور بودھ علوم کے زبردست سرپرست اور محافظ تھے۔ ساری مشرقی دنیا میں مشہور، نالندہ یونیورسٹی کو پال حکمرانوں نے ہی دوبارہ زندہ کیا تھا اور اس کے مصارف کے لیے دو سو گاؤں کا عطیہ دیا گیا تھا۔ وکرم شیلا یونیورسٹی بھی پال حکمرانوں نے ہی قائم کی تھی جو کہ شہرت میں نالندہ یونیورسٹی کے بعد دوسرے نمبر پر تھی۔ یہ یونیورسٹی مگدھ میں دریائے گنگا کے کنارے ایک پہاڑی کی چوٹی پر قائم کی گئی تھی جس کے ارد گرد کا ماحول بہت ہی فرحت بخش تھا۔ پال حکمرانوں نے متعدد بودھ وہار بھی بنوائے جس میں بودھ بھکشو بڑی تعداد میں رہتے تھے۔

پال حکمرانوں کے تبت کے ساتھ بھی بہت گہرے ثقافتی روابط تھے۔ مشہور بدھ علماء، سنت رکشت اور دیپنکر (جو آتش کہلاتے ہیں) کو تبت آنے کی دعوت دی گئی تھی۔ وہاں جا کر ان دونوں بدھ عالموں نے ایک نے بودھ فرقے کی بنیاد رکھی۔ اس کے نتیجے میں بہت سارے تبتی بودھ، نالندہ اور وکرم شیلا کی یونیورسٹیوں میں علم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔ جنوب مشرقی ایشیاء کے ساتھ بھی پال حکمرانوں کے بہت قریبی تجارتی اور تہذیبی تعلقات تھے۔ جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ پال حکمرانوں کی تجارت بہت ہی سود مند تھی۔ اس سے پال سلطنت میں بہت زیادہ خوش حالی آئی۔ طاقتور شیلیندر خاندان نے، جو کہ بودھ مذہب کا پیرو تھا اور جس کا اقتدار ملایا، جاوا، سماترا اور قریب کے تمام جزیروں

پر تھا،اپنے کئی سفیر پال حکمرانوں کے دربار میں بھیجے تھے۔انہوں نے نالندہ میں ایک بدھ مٹھ قائم کرنے کی اجازت چاہی تھی اور پال حکمران دیوپال سے اس مٹھ کے اخراجات کے لیے پانچ گاؤں بھی مانگے تھے۔ یہ درخواست منظور کرلی گئی تھی جو کہ ان دونوں کے درمیان گہرے تعلقات کا ثبوت ہے۔

1.4 پرتی ہار خاندان (Pratihara Dynasty)

پرتی ہاروں کو گرجر پرتی ہار بھی کہا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اصل تعلق گجرات یا جنوبی مغربی راجستھان سے تھا۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ شروع میں مقامی نوعیت کے عہدے دار رہے ہوں گے اور پھر بعد میں وسطی اور مشرقی راجستھان کے متعدد علاقوں پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ راجستھان پر سندھ کی طرف سے ہونے والے عرب حکمرانوں کے حملے کو روکنے کے نتیجے میں ہی ان کی شہرت میں اضافہ ہوا۔ بہر حال 783 میں گجرات کے چالوکیہ راجاؤں نے عربوں کو فیصلہ کن شکست دی اور ان کا خطرہ ختم ہوا۔

اپنی سرحدوں کو بالائی وادی گنگا اور مالوہ تک پھیلانے کے لیے شروع کے پرتی ہار حکمرانوں کے عزائم کو راشٹر کوٹ حکمرانوں دھرو اور گوپال سوئم نے ناکام بنایا-790 اور پھر 7-806 میں راشٹر کوٹوں نے پرتی ہاروں کو شکست دی اور پھر دکن کی طرف واپس لوٹ گئے اور میدان پال حکمرانوں کے لیے چھوڑ دیا۔ شاہد راشٹر کوٹوں کا اصل مقصد مالوہ اور گجرات پر اپنا تسلط قائم کرنا تھا۔ پرتی ہار سلطنت کا اصل بانی اور خاندان کا سب سے بڑا راجا بھوج تھا۔ اس کی شروع کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلوم نہیں ہے اور یہ کہ وہ کب گدی نشین ہوا تھا۔ اس نے سلطنت کی پھر سے تشکیل کی اور 836 کے آس پاس قنوج کو دوبارہ حاصل کر لیا جو تقریباً ایک صدی تک پرتی ہار سلطنت کا دارالسلطنت رہا۔ راجا بھوج نے اپنی سرحدوں کو مشرق کی طرف پھیلانے کی کوشش کی لیکن اسے پال راجا، دیوپال کے ہاتھوں شکست ہوئی۔ اس کے بعد اس نے وسطی ہندوستان دکن اور گجرات کا رخ کیا۔ اس طرح راشٹر کوٹوں کے ساتھ اس کی مقابلہ آرائی پھر شروع ہو گئی۔ دریائے نرمدا کے کنارے ایک خوں ریز جنگ ہوئی اور بھوج، مالوہ کے اہم علاقے اور گجرات پر اپنا تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا لیکن وہ اس سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اس لیے وہ ایک بار پھر شمال کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک کتبے کے مطابق، اس کی سلطنت کا پھیلاؤ دریائے ستلج کے مشرقی کنارے تک تھا۔

عرب سیاحوں کا بیان ہے کہ پرتی ہار حکمرانوں کے پاس ہندوستان بھر میں بہترین گھڑ سوار فوج تھی۔ ان دنوں وسطی ایشیا اور عرب سے گھوڑوں کی درآمد کاری ہندوستانی تجارت کا اہم عنصر تھی۔ دیوپال کی موت اور پال سلطنت کے کمزور پڑ جانے پر بھوج نے اپنی سرحدیں مشرق میں بھی بڑھالیں۔ بھوج کا نام داستانوں میں بھی مشہور ہے۔ ممکن ہے کہ بھوج کے ابتدائی زندگی کے کارنامے، اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی دوبارہ حصولیابی اور آخر میں قنوج پر دوبارہ قبضے نے اس کے ہمعصر کے تخیل کے لیے مہمیز کا کام کیا۔ بھوج وشنو پرست تھا اور اپنے لیے "آدی وراہ" کا خطاب اختیار کیا تھا جو کہ اس کے جاری کردہ سکوں پر بھی کندہ پایا گیا ہے۔ کچھ عرصے بعد کے اجین کے پرمار خاندان کے راجا بھوج اور اس میں امتیاز کرنے کے لیے اسے کبھی کبھی مہر بھوج کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ بھوج کی موت 885 کے آس پاس ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مہیندر پال اول اس کا جانشین ہوا۔ مہیندر پال نے بھوج سلطنت کو قائم رکھتے ہوئے 909-908 کے آس پاس تک

حکومت کی اور مگدھ نیز شمالی بنگال تک اس کی توسیع بھی کی۔ اس کے کتبے کاٹھیاواڑ، مشرقی پنجاب اور اودھ میں بھی پائے گئے ہیں۔ مہینہ رپال نے کشمیر کے راجا کے ساتھ بھی ایک بار جنگ کی لیکن اس سے شکست کھا جانے پر اپنے والد بھوج کے ذریعے جیتے گئے پنجاب کے کچھ علاقے اسے دینے پڑے تھے۔

اس طرح نویں صدی کے وسط سے دسویں صدی کے ربع اوّل تک پرتی ہاروں نے تقریباً ایک صدی تک شمالی ہندوستان پر حکومت کی۔ بغداد کے باشندے المسعودی نے جو کہ 16-915 میں گجرات آیا تھا، پرتی ہار حکمرانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور سلطنتوں کے پھیلاؤ کا ذکر کیا ہے۔ اس نے گرجر پرتی ہار سلطنت کو الجزر (غالباً گرجر کا عربی متبادل ہے) اور راجا کو بورا کہا ہے جو کہ شاید راجا بھوج کے خطاب ''آدی وراہ'' کا غلط تلفظ ہو سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بھوج کا اس وقت تک انتقال ہو چکا تھا۔ المسعودی کا بیان ہے کہ الجزر سلطنت میں 1,800,000 گاؤں شہر اور دیہی علاقے شامل تھے اور اس کا پھیلاؤ طول میں 2000 کلو میٹر اور عرض میں 2000 کلو میٹر تھا۔ راجا کی فوج چار حصوں پر مشتمل تھی اور ہر قصے میں 7,00,000 سے 9,00,000 سپاہی تھے۔ شمال کی فوج سے وہ ملتان کے حکمران اور اس سے ملے ہوئے مسلمانوں سے جنگ کرتا تھا۔ جنوب کی فوج راشٹر کوٹوں اور مشرق کی فوج پال حکمرانوں کے خلاف جنگ کرتی تھی۔ جنگ کے لیے اس کے پاس صرف دو ہزار تربیت یافتہ ہاتھی تھے لیکن ملک کے کسی بھی راجا کے مقابلے میں اس کے پاس بہترین گھڑ سوار فوج تھی۔

پرتی ہار راجا علم و ادب کے سرپرست تھے۔ سنسکرت زبان کا عظیم شاعر اور ڈرامہ نگار راج شیکھر، راجا بھوج کے پوتے، مہی پال کے دربار میں رہتا تھا۔ پرتی ہار حکمرانوں نے قنوج کو متعدد عظیم الشان عمارتوں اور مندروں سے آراستہ کیا۔ آٹھویں اور نویں صدی کے دوران متعدد ہندوستانی عالم سفیر بن کر بغداد میں خلیفہ کے دربار میں گئے۔ ان ہندوستانی عالموں نے عربی دنیا کو ہندوستانی سائنس خاص طور پر ریاضی، الجبرا اور علم طب سے روشناس کرایا۔ ہمیں ان راجاؤں کے نام بھی معلوم نہیں ہیں جنہوں نے ان سفیروں کو بغداد بھیجا تھا۔ پرتی ہار حکمران، سندھ کے عرب حاکموں کے خلاف دشمنی کے لیے مشہور تھے۔ اس کے باوجود بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی ہندوستان اور مغربی ایشیا کے درمیان عالموں کی آمد و رفت اور اشیاء کا لین دین جاری رہا۔

915 اور 918 کے درمیان راشٹر کوٹ راجا اندرا سوم نے پھر قنوج پر حملہ کیا اور شہر کو تاراج کر ڈالا۔ اس سے پرتی ہار سلطنت کافی کمزور پڑ گئی اور گجرات تو تقریباً راشٹر کوٹوں کے ہاتھ میں ہی چلا گیا کیونکہ المسعودی کا بیان ہے کہ پرتی ہار سلطنت کی رسائی سمندر تک نہیں تھی۔ گجرات کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے پرتی ہاروں کو اور بھی دھکا پہونچا، کیونکہ گجرات سمندر کے راستہ ہونے والی تجارت کا مرکز تھا اور شمالی ہندوستان سے مغربی ایشیا کو بھیجی جانے والی اشیاء کی نکاسی یہیں سے ہوتی تھی۔ 963 میں دوسرے راشٹر کوٹ راجا کرشن سوم نے شمالی ہندوستان پر حملہ کر کے پرتی ہار راجا کو شکست دی۔ اس کے بعد جلد ہی پرتی ہار سلطنت کا زوال ہو گیا۔

1.5 راشٹر کوٹ خاندان (Rashtrakuta Dynasty)

جب شمالی ہندوستان پر پال اور پرتی ہار حکمرانوں کی حکومت تھی، دکن پر راشٹر کوٹ حکومت کر رہے تھے۔ یہ ایک عظیم خاندان تھا جس نے متعدد جنگجو اور قابل حکمراں گذرے۔ اس سلطنت کی بنیاد دنتی درگ نے رکھی تھی۔ اس نے مانیہ کھیت یا ملکھید کو اپنی راجدھانی بنایا تھا جو کہ موجودہ شولا پور کے پاس واقع ہے۔ راشٹر کوٹوں نے بہت جلد شمالی مہاراشٹر کے تمام علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، مالوہ اور گجرات پر تسلط کے لیے انہوں نے پرتی ہار حکمرانوں سے بھی جنگ کی۔ اگرچہ راشٹر کوٹ اپنے ان حملوں کے باوجود بھی اپنی سرحدوں کو وادی گنگا تک نہ پھیلا سکے تاہم ان کی شہرت میں چار چاند لگ گئے اور کافی مال غنیمت بھی ملا۔ راشٹر کوٹ راجا، وینگی (موجودہ آندھرا پردیش) کے مشرقی چالوکیہ حکمرانوں، جنوب میں کانچی کے پلو راجاؤں اور مدورائی کے پانڈیوں کے خلاف مسلسل جنگ کرتے رہے۔

راشٹر کوٹ خاندان کے سب سے بڑے حکمران غالباً گووند سوم (814-763) اور اموگھ ورش (978-814) تھے۔ قنوج کے ناگ بھٹ کے خلاف کامیاب مہم اور مالوہ کو اپنی سلطنت میں شامل کر لینے کے بعد گووند سوم نے جنوب کا رخ کیا۔ ہمیں ایک کتبے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گووند نے چیر، پانڈیہ اور چول راجاؤں کو خوف زدہ کر ڈالا تھا اور پلوؤں کو منتشر کر دیا تھا۔ اڑیسہ کے گنگ راجا کو اس کی سرکشی کی بنیاد پر نوبیڑیوں میں جکڑ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لنکا کے راجا اور اس کے وزیر کو لاپرواہی اور سازش کے الزام میں گرفتار کر کے راجدھانی لایا گیا تھا۔ سری لنکا کے راجا کے دو مجسمے بھی مانیہ کھیت لائے گئے تھے اور ایک شیو مندر کے سامنے فتح کی علامت کے طور پر نصب کر دیئے گئے تھے۔

اموگھ وورش نے 68 سال حکمرانی کی لیکن وہ جنگ و جدال کے مقابلے میں مذہب اور ادب میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ وہ خود بھی مصنف تھا اور شعریات کے موضوع پر پہلی کنڑ کتاب کا مصنف مانا جاتا ہے۔ اسے تعمیرات سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ راجدھانی مانیہ کھیت کی تعمیر اسی نے کرائی تھی جو خوبصورتی میں اس عہد کے شہروں سے کافی آگے تھی۔ اموگھ ورش کے عہد میں وسیع و عریض راشٹر کوٹ ریاست میں کئی بار بغاوتیں بھی ہوئیں۔ ان بغاوتوں پر مشکل سے قابو پایا جا سکا تھا۔ اس کی موت کے بعد وہ پھر سے شروع ہو گئیں۔

اس کے پوتے اندر سوم (921-915) نے سلطنت کو پھر سے استوار کیا۔ 915ء میں مہی پال کی شکست اور قنوج کی غارت گری کے بعد اندر سوم اپنے وقت کا سب سے طاقتور راجا بن گیا۔ اس وقت ہندوستان کی سیاحت پر آئے ہوئے مسعودی کے بیان کے مطابق راشٹر کوٹ راجا بلہار یا ولبھ راج ہندوستان کا سب سے بڑا راجا تھا۔ اور بیشتر ہندوستانی راجاؤں نے اس کی حاکمیت کو تسلیم کر رکھا تھا۔ وہ ان کے سفیروں کا کافی احترام کرتے تھے۔ اس کے پاس بہت بڑی فوج تھی اور بے شمار ہاتھی بھی تھے۔

کرشن سوم (963-934) راشٹر کوٹ خاندان کے عظیم حکمرانوں میں آخری راجا تھا۔ وہ مالوہ کے پرمار راجاؤں اور دیلنگی کے مشرقی چالوکیوں کے ساتھ جنگوں میں الجھا رہا۔ اس نے تنجور کے چول حکمرانوں کے خلاف بھی مہم شروع کی، جو کہ کانچی پلو حکمرانوں کو بے

دخل کر چکے تھے۔ کرشن سوم نے چول راجا پرنتکا اوّل کو شکست دی اور چول سلطنت کے شمالی حصے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔اس کے سارے مخالف اس کے جانشین کے مقابلے پر متحد ہو گئے۔ راشٹر کوٹ کی راجدھانی مانیہ کھیت 972 میں لوٹ لی گئی اور جلادی گئی۔اس طرح راشٹر کوٹ سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

راشٹر کوٹ حکومت دکن میں دو سو سال یعنی دسویں صدی کے آخر تک قائم رہی۔ راشٹر کوٹ حکمرانوں میں مذہبی رواداری تھی اور صرف وشنومت اور شیومت کی ہی نہیں بلکہ جین مذہب کی بھی پوری سرپرستی کی۔ نویں صدی میں ایک راشٹر کوٹ راجا، کرشن اول نے ایلورا میں مشہور شیو مندر تعمیر کرایا تھا جو ایک ہی چٹان کو تراش کر بنایا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا جانشین اموگھ ورش جین مذہب کا ماننے والا تھا لیکن اس نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی بھی سرپرستی کی تھی۔ راشٹر کوٹ راجاؤں نے اپنی ریاست میں مسلمان تاجروں کو آباد ہونے اور اسلام کی تبلیغ کی اجازت دے رکھی تھی۔ راشٹر کوٹ ریاست کے متعدد ساحلی شہروں میں مسلمانوں کی بستیاں اور روز مرہ کی عبادت کے لیے کئی مسجدیں تھیں۔ مذہبی رواداری کی اس پالیسی سے غیر ملکی تجارت کو کافی فروغ حاصل ہوا جس سے راشٹر کوٹ ریاست کی بھی خوشحالی میں اضافہ ہوا۔

راشٹر کوٹ حکمران فنون لطیفہ اور ادب کے زبردست سرپرست تھے۔ان کے درباروں میں نہ صرف سنسکرت کے عالم تھے بلکہ شاعر اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ جنہوں نے پراکرت اور اپ بھرنش زبانوں میں بھی لکھا جن سے ہندوستان کی مختلف موجودہ زبانیں پیدا ہوئیں۔اپ بھرنش کے عظیم شاعر سویمبھو اور اس کا بیٹا شاید راشٹر کوٹ دربار میں رہتے تھے۔

1.6 سیاسی تنظیم (Political Orgnisation)

مندرجہ بالا ریاستوں کا نظم ونسق، گپت سلطنت، ہرش کی سلطنت اور جنوب میں چالوکیہ حکمرانوں کے خیالات اور روایات پر مبنی تھا۔ حسب سابق سلطنت کا سارا اقتدار راجا میں مرکوز تھا۔ وہ حکومت کا سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلح افواج کا سربراہ اعلیٰ بھی ہوتا تھا۔ ایک عظیم دربار کے علاوہ شاہی محل کے سامنے گھڑ سوار اور پیادہ فوج تعینات رہتی تھی۔ جنگ میں پکڑے گئے ہاتھیوں اور گھوڑوں کی قواعد اسی جگہ کی جاتی تھی۔ دوار پال (چوبدار) حاضر رہتے تھے، جو راجا کے دربار میں حاضری دینے والے ماتحت سرداروں، جاگیرداروں، سفیروں اور دوسرے اعلیٰ عہدے داروں کی آمد و رفت کا بندوبست کرتے تھے۔ سیاسی معاملات اور انصاف کے علاوہ شاہی دربار تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں کی بھی سرپرستی کرتا تھا جہاں رقاصائیں اور ماہر موسیقار بھی ہوتے تھے۔ تقریب کے موقعوں پر شاہی خاندان کی عورتیں بھی دربار میں موجود رہتی تھیں۔ عرب سیاحوں کے بیان کے مطابق راشٹر کوٹ ریاست میں شاہی خاندان کی عورتیں چہرے کو ڈھکتی نہیں تھیں۔

عام طور پر راجا موروثی ہوتا تھا۔اس زمانے میں سیاسی اتھل پتھل کی وجہ سے اس وقت کے دانشور، حکمراں سے مکمل وفاداری اور تابعداری پر زور دیتے تھے۔ راجاؤں کے درمیان اور راجاؤں اور ماتحت جاگیرداروں کے درمیان لگاتار جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اگرچہ راجا اپنی

ریاستوں میں امن و قانون قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے لیکن ان کی طاقت اور اقتدار کبھی کم پڑ جاتے تھے۔ علاقائی حکمران اور خود مختار سر دار اکثر براہِ راست انتظام والے علاقے کو محدود کر دیتے تھے۔ اس وقت کے ایک مصنف میدھا تیتھی کا خیال ہے کہ اس وقت کسی بھی شخص کو چوروں اور قاتلوں سے تحفظ کے لیے اپنے پاس ہتھیار رکھنے کا حق تھا۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ ایک ظالم اور بے انصاف بادشاہ کی مخالفت کرنا درست تھا۔ اس طرح گویا شاہی حقوق اور مراعات کے بارے میں وقطعی تصور، جس کا بیشتر ذکر وضاحت کے ساتھ پرانوں میں نہیں کیا گیا ہے، تمام مفکرین کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔

جانشینی کا طریقہ قطعی اور جامد نہیں تھا۔ اگرچہ عام طور پر سب سے بڑا لڑکا ہی جانشین ہوتا تھا لیکن کئی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ سب سے بڑے بھائی کو چھوٹے بھائیوں سے جنگ کرنی پڑی تھی اور کبھی کبھی تو شکست کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس طرح راشٹر کوٹ حکمراں دھرو اور گووند چہارم نے اپنے بڑے بھائیوں کو ہی بے دخل کیا تھا۔ بعض اوقات راجا اپنے سب سے بڑے بیٹے یا کسی چہیتے بیٹے کو اپنا جانشین یا ولی عہد نامزد کر دیا کرتا تھا۔ ایسی صورت میں ولی عہد راجدھانی میں رہ کر حکومت چلانے میں راجا کی مدد کرتا تھا۔ چھوٹے شہزادوں کو کبھی کبھی صوبائی گورنر بنایا جاتا تھا۔ شہزادیوں کا تقرر کسی سرکاری عہدے پر شاید ہی کبھی ہوتا ہو لیکن ایک ایسی مثال ہے کہ ایک راشٹر کوٹ شہزادی چندرو لبھی نے، جو کہ اموگھ ورش کی لڑکی تھی، کچھ عرصے کے لیے رائچور کے دوآبہ پر حکومت کی تھی۔

عام طور پر راجا کو مشورہ دینے کے لیے کچھ وزیر ہوتے تھے۔ راجا ان وزیروں کا انتخاب سر کردہ خاندانوں سے خود ہی کرتا تھا۔ ان وزیروں کا عہدہ بھی اکثر موروثی ہی ہوتا تھا۔ پال راجاؤں کے عہد حکومت میں ایک ہی برہمن خاندان کے چار لوگ مسلسل طور پر دھرم پال اور اس کے جانشینوں کے وزیر اعلیٰ رہے تھے۔ ایسی صورت میں وزیر کبھی کبھی بہت طاقت ور بھی ہو جایا کرتے تھے۔ اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کے کئی محکمے ہوتے تھے لیکن ان محکموں کی تعداد اور طریقہ کار کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ قدیم کتبوں اور ادبی کتابوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اکثر سبھی سلطنتوں میں وزیر خارجہ، وزیر مالیات، خازن، مسلح افواج کا سربراہ، منصف اعلیٰ اور پجاری ہوتے تھے۔ ایک شخص ایک سے زائد عہدے بھی سنبھال سکتا تھا۔ وزیروں میں بھی ایک وزیر اعلیٰ یا وزیر اعظم ہوتا تھا جس پر راجا دوسرے وزیروں کے مقابلے میں زیادہ انحصار کرتا تھا۔ پجاری کے علاوہ سبھی وزیروں کو ضرورت پڑنے پر فوجی مہموں کی قیادت کے لیے بھی کہا جا سکتا تھا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محل سرا کے لیے بھی عہدے دار ہوتے تھے چونکہ راجا سبھی طاقتوں کا سرچشمہ ہوتا تھا اس کی محل سرا کے کچھ افسر بھی بہت طاقتور ہو جایا کرتے تھے۔

مسلح افواج، دفاع اور سلطنت کی توسیع کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ ہم عرب سیاحوں کے سفر ناموں سے اس بات کے شواہد پہلے ہی پیش کر چکے ہیں کہ پال، پرتی ہار اور راشٹر کوٹ حکمرانوں کے پاس بڑی تعداد میں اور بہت ہیں منظم پیادہ اور گھڑ سوار فوج تھی اور بڑی تعداد میں جنگی ہاتھی تھے۔ ہاتھی طاقت کی۔ علامت سمجھے جاتے تھے اور ان کی بہت اہمیت تھی۔ پال خاندان کے حکمراں کے پاس سب سے زیادہ ہاتھی تھے۔ راشٹر کوٹ اور پرتی ہار حکمران سمندری راستے سے عرب اور مغربی ایشیا سے زمینی راستے سے وسطی ایشیا سے بڑی تعداد میں

گھوڑے منگایا کرتے تھے۔ ملک بھر میں پرتی ہار حکمرانوں کی گھڑ سوار فوج سب سے بہترین مانی جاتی تھی۔ رتھوں کا کوئی حوالہ نہیں ملتا کیونکہ جنگ میں ان کا استعمال بند ہو چکا تھا۔ کچھ راجاؤں، خاص طور پر راشٹر کوٹ حکمرانوں کے پاس بہت تعدا میں قلعے تھے۔ ان قلعہ جات میں خاص قسم کی فوجیں رہتی تھیں۔ پیدل فوج کی تشکیل، باقاعدہ نیز بے قاعدہ طور پر اور جاگیرداروں کے ذریعہ فراہم کردہ سپاہیوں سے ہوتی تھی۔ باقاعدہ قسم کی فوجیں اکثر موروثی ہوتی تھیں اور بعض اوقات ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بھرتی کی جاتی تھیں۔ اس طرح پال حکمرانوں کی پیدل فوج مالو، کھس (آسام)، لاٹ (جنوبی گجرات) اور کرناٹک کے سپاہیوں کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ پال حکمرانوں اور راشٹر کوٹ حکمرانوں کی اپنی بحری فوج تھی لیکن ان کی تعداد اور بناوٹ کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہو سکی ہیں۔

ریاست میں دو طرح کے علاقے ہوتے تھے، ایک تو وہ جن پر راجا کا براہ راست اقتدار و تسلط ہوتا تھا اور دوسرے وہ جن پر سرداروں کی حکومت ہوتی تھی۔ یہ سردار اندرونی معاملات کے سلسلے میں خود مختار ہوتے تھے لیکن انہیں اپنے راجا یا حکمراں کے تئیں وفادار اور تابعدار رہنا ہوتا تھا اور جنگ میں اسے طے شدہ تعداد میں فوج فراہم کرنا پڑتی تھی۔ سردار، راجا کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں اس لیے ان کے ایک بیٹے کو راجا کے حضور میں رہنا پڑتا تھا۔ خاص موقعوں پر ماتحت سرداروں کو دربار میں حاضری دینی ہوتی تھی اور کبھی کبھی تو اپنی کسی ایک لڑکی کی شادی راجا یا اس کے کسی لڑکے کے ساتھ کرنی پڑتی تھی لیکن یہ باج گزار سردار آزاد ہونے کے ہمیشہ خواہش مند رہتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اور ان کے حکمراں کے درمیان اکثر جنگیں بھی ہوتی تھیں۔ اس طرح راشٹر کوٹ راجاؤں کو وینگی (آندھرا) اور کرناٹک کے باج گزار سرداروں کے خلاف نیز پرتی ہار راجاؤں کو پرماروں اور بندیل کھنڈ کے چندیلوں کے خلاف مسلسل لڑنا پڑتا تھا۔

پال اور پرتی ہار حکمرانوں کی جن علاقوں پر براہ راست حکومت تھی وہ بھکتی (صوبوں) اور منڈل یا وشیہ (ضلعوں) میں تقسیم تھے۔ صوبے کے حاکم گورنر کو اپرک اور وشیہ کے سربراہ کو وشیہ پتی کہا جاتا تھا۔ اپرک سے زمین کا محصول وصول کرنے اور فوج کی مدد سے امن و قانون قائم رکھنے کی توقع کی جاتی تھی۔ وشیہ پتی سے بھی اپنے اختیار کے علاقے میں اس طرح کے کام کی توقع کی جاتی۔ اس مدت میں ایسے چھوٹے سرداروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا سامنت (جاگیردار) یا بھوگ پتی کہلاتے تھے۔ یہ کچھ گاؤں پر حکومت کرتے تھے۔ وشیہ پتیوں اور ان چھوٹے سرداروں نے آپس میں ایک دوسرے میں ضم ہونے کی سمت میں پیش قدمی کی اور امتداد زمانے کے ساتھ ساتھ سامنت کی اصطلاح بلا کسی امتیاز ان دونوں کے لیے ہی استعمال کی جانے لگی۔

راشٹر کوٹ سلطنت میں براہ راست تسلط والے علاقوں کو راشٹر (صوبہ) وشیہ اور بھکتی میں تقسیم کیا گیا۔ راشٹر کا سربراہ راشٹر پتی کہلاتا تھا اور پال نیز پرتی ہار سلطنت کے اپرک جیسے ہی کام انجام دیتا تھا۔ وشیہ کی نوعیت آج کل کے ضلع جیسی تھی اور بھکتی اس سے بھی چھوٹی اکائی تھی۔ پال اور پرتی ہار سلطنتوں میں وشیہ سے چھوٹی اکائی کہلاتی تھی۔ ان چھوٹی اکائیوں کے لیے طے کیے گئے کاموں کے بارے میں ابھی تک کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اہم مقصد زمینی محصول وصول کرنا اور کسی حد تک امن اور قانون قائم رکھنا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام افسروں کو تنخواہ ادائیگی محصول سے آزاد زمین کی شکل میں کی جاتی تھی۔ اس سے ان افسروں نیز موروثی سرداروں

اور چھوٹے سامنتوں (جاگیرداروں) کے درمیان کا فرق کم ہو گیا تھا۔اسی طرح بعض اوقات راشٹر پتی (صوبائی گورنر) کو ایک جاگیردار راجہ کا عہدہ اور حیثیت بھی حاصل ہو جاتی تھی۔

اس علاقائی تقسیم کے سب سے نیچے گاؤں تھے۔ گاؤں کو انتظامیہ کی بنیادی اکائی کی حیثیت حاصل تھی۔ گاؤں کا نظم گاؤں کا مکھیا اور گاؤں کا محاسب چلاتا تھا جس کا عہدہ موروثی ہوتا تھا۔انہیں تنخواہ کی شکل میں محصول سے مستثنیٰ زمین ملتی تھی۔ گاؤں کے کاموں میں مکھیا کی مدد گاؤں کا بزرگ کرتا تھا، جسے گرام مہاجن کہا جاتا تھا۔ راشٹر کوٹوں کی سلطنت میں گرام کمیٹیاں ہوتی تھیں جو مقامی مندروں اور سڑکوں کا بندوبست کرتی تھیں ۔ یہ کمیٹیاں ٹرسٹ کی شکل میں رقم جائداد بھی لے سکتی تھیں ۔ بندوبست کرسکتی تھیں ۔ یہ ذیلی کمیٹیاں مکھیا کے ساتھ تعاون کرتی تھیں اور انہیں زمین کی محصول کی وصولی کا ایک حصہ بھی ملتا تھا۔ یہ کمیٹیاں چھوٹے موٹے معاملات کا تصفیہ بھی کرتی تھیں ۔ شہروں میں بھی اسی طرح کی کمیٹیاں ہوتی تھیں۔اس میں تجارتی اور کاروباری تنظیموں کے سربراہ بھی شامل ہوتے تھے۔ شہر اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں امن اور قانون قائم رکھنے کی ذمہ داری کوشٹ پال یا کوتوال کی ہوتی تھی جس کا ذکر متعدد قصے کہانیوں میں بھی ملتا ہے۔

اس عہد کی ایک اہم خصوصیت دکن میں موروثی مالیاتی افسروں کا عروج تھا جنہیں ناو گونڈیا دیش گرام کوٹ کہا جاتا تھا۔انہیں وہی کام کرنے پڑتے تھے۔ جو بعد میں مہاراشٹر کے دیش مکھوں اور دیش پانڈوں کو سونپے گئے تھے۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ شمالی ہندوستان میں چھوٹے سرداروں کے عروج سے سماج اور سیاست پر اہم اثرات مرتب ہوئے۔ان موروثی سرداروں کی طاقت میں اضافہ ہوتے ہی دیہی کمیٹیاں کمزور پڑنے لگیں۔ مرکزی حکمران کے لیے بھی ان سرداروں پر اپنا کنٹرول قائم رکھنا مشکل ہو گیا۔اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکومت جاگیردارانہ نظام میں ڈھلتی جارہی تھی۔

اس عہد کی یاد رکھنے کی ایک دوسری اہم بات مذہب اور سلطنت کا آپسی تعلق ہے۔اس عہد کے متعدد مذہب پرست حکمران شیو کی عبادت کرتے تھے یا یا وشنومت کے پیروکار تھے۔ یا بدھ مذہب یا جین مذہب کی تعلیمات کی پیروی کرتے تھے۔ یہ حکمران برہمنوں یا بودھ وہاروں یا جین مندروں کو وافر مقدار میں عطیہ دیا کرتے تھے لیکن عام طور پر سبھی مذہبوں کی سرپرستی کرتے تھے اور کسی کو ان کے مذہبی عقائد کی وجہ سے تکلیف نہیں پہونچاتے تھے۔ راشٹر کوٹ راجاؤں نے مسلمانوں کا بھی خیر مقدم اور انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت بھی دی۔ عام طور پر کسی بھی راجا سے دھرم شاستر کی کتابوں میں مذکور ضابطہ اخلاق یا رسوم ورواج میں مداخلت کرنے کی توقع نہیں کی جاتی تھی لیکن برہمنوں کی حفاظت کرنا اور سماج کے چاروں طبقوں (ورنوں) کی روایات کو برقرار رکھنا اس کی عام ذمے داری ہوتی تھی۔اس سلسلے میں پجاری سے راجا کو مشورہ دینے کی توقع کی جاتی تھی لیکن یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہے کہ پجاری، راجا کے کاموں میں مداخلت کرتے تھے یا وہ راجا پر حاوی ہوتے تھے۔اس عہد میں دھرم شاستر کے سب سے پہلے شارح 'میدھا تیتھی' کا کہنا تھا کہ راجا کا اختیار ویدوں کے مطابق، دھرم شاستروں سے ہی لیا گیا ہے۔اس کا عوامی فرض یا راج دھرم، ارتھ شاستر یعنی علم سیاسیات پر مبنی ہونا چاہئے۔اس کا حقیقی مطلب یہ تھا کہ علم سیاسیات اور مذہب کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جاتا تھا۔اور مذہب راجا کا بالکل ذاتی معاملہ ہوتا تھا۔اس طرح راجا پر وہت کا یا دھر شاستر کا غلبہ یا کنٹرول

نہیں ہوتا تھا۔

1.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد ہم نے جانا کہ شمالی ہندوستان میں ہرش کی سلطنت کے خاتمے کے بعد سیاسی بد نظمی پھیل گئی اور اقتدار کے متعدد مراکز اٹھ کھڑے ہوئے۔ان میں سب سے طاقت ور پال، پرتی ہار اور راشٹر کوٹ تھے جو قنوج پر اقتدار کے لیے آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ ہرش کے عہد سے قنوج پورے شمالی ہند پر اقتدار کی علامت بن کر ابھرا۔ان تینوں طاقتوں میں سے کوئی بھی پورے شمالی پر مکمل اقتدار قائم کر کے ایک عظیم حکومت قائم کرنے میں ناکام رہا۔ان کی اس سیاسی کشمکش کو سہ طرفہ جدوجہد کا نام دیا گیا۔دسویں صدی کے خاتمے تک یہ تینوں سلطنتیں زوال پذیر ہو گئیں اور ان کے علاقے متعدد خود مختار ریاستوں میں تقسیم ہو گئے۔ان کی جگہ چوہانوں، پرماروں، گہڑوالوں ،چندیلوں اور چالوکیوں نے لے لی۔ان کا سیاسی نظام بعض مورخین کے مطابق جاگیردارانہ تھا، جبکہ دوسرے مورخین اسے ہندوستانی وضع کا منفرد نظام مانتے تھے جو ذات پات کے ڈھانچے پر قائم تھا، جہاں سزائیں مجرم کی ذات کے حساب سے دی جاتی تھیں۔ راجپوت افواج کی تشکیل بھی ذات کی بنیاد پر ہوتی تھی جو ایک سامنت یا راجا کے تحت یکجا ہوتی تھی۔

1.8 فرہنگ (Glossary)

مگدھ	:	جنوبی بہار کا علاقہ
قنوج	:	اتر پردیش کا ایک شہر
ششانک	:	بنگال کے گوڑ خاندان کا حکمراں (م۔640)
الجزر	:	گرجر پرتی ہار سلطنت کا عربی نام

1.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. گپت سلطنت کے زوال کے بعد شمالی ہندوستان میں سیاسی اقتدار کا مرکز کون سا شہر بنا؟

(الف) مگدھ (ب) قنوج (ج) دہلی (د) بنگال

2. ہرش وردھن کی موت کب ہوئی جس کے بعد شمالی ہندوستان میں سیاسی بے یقینی پھیل گئی؟

(الف) 647ء (ب) 712ء (ج) 850ء (د) 1206ء

3. قنوج پر اقتدار کے لیے کن تین طاقتوں کے درمیان 'سہ طرفہ جدوجہد (Triangular Struggle)' ہوئی؟

(الف) پال، چول، پرتی ہار (ب) راشٹر کوٹ، پال، چالوکیہ (ج) پال، پرتی ہار، راشٹر کوٹ (د) گپت، ہرش، ششانک

4. بنگال میں بدنظمی کے خاتمے کے بعد پال خاندان کا بانی کون بنا؟

(الف) دھرم پال (ب)دیوپال (ج)ششانک (د) گوپال

5. محمد بن قاسم کے ہاتھوں سندھ کب فتح ہوا؟

(الف)647 ء (ب)712ء (ج)750ء (د)810ء

1.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. سہ طرفہ جدوجہد پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. پال سلطنت کے بارے میں عرب تاجر سلیمان کے تاثرات بیان کیجیے۔
3. پرتی ہار سلطنت کے بارے میں المسعودی کے تاثرات بیان کیجیے۔

1.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. پال خاندان کے عروج وزوال پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. پرتی ہار خاندان کے عروج وزوال پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔

اکائی 2۔راجپوت: سیاست

(Rajputs: Polity)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید
2.1 مقاصد
2.2 راجپوتوں کے آغاز سے متعلق نظریات
2.2.1 غیر ملکی آباؤاجداد
2.2.2 قدیم چھتری قبیلے کا نظریہ
2.2.3 اگنی کل نظریہ
2.2.4 برہمن نسل کا نظریہ
2.2.5 مخلوط نسل کا نظریہ
2.2.6 قبائلی پس منظر کا نظریہ
2.3 ہندوستانی سیاست میں راجپوتوں کا عروج
2.4 سیاسی تنظیم
2.5 اکتسابی نتائج
2.6 فرہنگ
2.7 نمونہ امتحانی سوالات
2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات

2.0 تمہید (Introduction)

قدرت کے ایک اصول کے طور پر اس کائنات میں ہر چیز کا آغاز اور اختتام ہوتا ہے۔تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے اب تک ہم نے بہت سی سلطنتوں، ریاستوں اور نسلوں کے بارے میں پڑھا۔ ہم نے قدیم ہندوستان میں آریہ نسل کے بارے میں پڑھا جنھوں نے ویدک دور اور مابعد ویدک دور میں ایک تہذیب کی بنیاد ڈالی اور ہندوستان کے کافی بڑے رقبے پر حکومت کی۔آریہ ایک نسل تھی یا ایک لسانی گروہ یہ ایک الگ بحث کا موضوع ہے۔ابتدائی عہد وسطیٰ میں گپت سلطنت کے زوال کے بعد اسی طرح ایک نئے گروہ کی آمد ہوئی جنہیں راجپوت کہا گیا۔ان کی اہمیت اتنی زیادہ تھی کہ اس پورے دور کو دہلی سلطنت کے قیام تک ''راجپوت دور'' کا نام دیا گیا۔

پہلی عظیم راجپوت ریاست یعنی پرتی ہار سلطنت کے زوال کے فوراً بعد ہی شمالی ہندوستان میں کئی راجپوت ریاستیں قائم ہوئیں۔ان میں قنوج کے گہڑوال، مالوہ کے پرمار اور اجمیر کے چوہان حکمران سب سے اہمیت کے حامل تھے۔ملک کے مختلف حصوں میں کچھ دوسرے شاہی خاندان بھی تھے، جن میں موجودہ جبل پور کے آس پاس کے علاقوں کے کلچری، بندیل کھنڈ کے بندیل، گجرات کے چالوکیہ اور دہلی کے تومر خاندان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔بنگال پہلے پال حکمرانوں کے اور پھر بعد میں سین حکمرانوں کے زیر تسلط رہا۔ قنوج کے گہڑ والوں نے دھیرے دھیرے پالوں کو بہار سے بے دخل کر دیا اور بنارس کو اپنی دوسری راجدھانی بنالیا۔اس درمیان میں چوہانوں نے اجمیر میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لیے تھے اور دھیرے دھیرے اپنی سلطنت کا دائرہ 'گجرات'، 'دہلی' اور 'پنجاب' تک بڑھاتے جا رہے تھے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت میں ان کا ٹکراؤ قنوج کے گہڑ والوں سے ہوا۔اس آپسی کشمکش کی وجہ سے ہی راجپوت حکمران پنجاب کی سرزمین سے غزنوی فوجوں کو نکال باہر کرنے کے لیے باہم متحد نہیں ہو سکے تھے بلکہ درحقیقت غزنوی یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ وہ اب اتنے طاقتور ہیں کہ اجین پر حملہ کر سکتے ہیں۔راجپوت سماج کی بنیاد کل یا قبیلہ تھی۔راجپوت قبیلہ اپنی ابتدا کا سرچشمہ کسی نہ کسی فرضی یا حقیقی مورث اعلیٰ کو مانتا تھا۔عام طور پر ان راجپوت خاندانوں کا اقتدار ایک مخصوص علاقے پر ہوتا تھا۔ کبھی کبھی ان علاقوں کا تعین 12 یا 24 یا 48 یا 84 گاؤں کی اکائیوں کی بنیاد پر ہوتا تھا۔ان علاقوں کے سردار اپنے ماتحت سرداروں کو گاؤں کی زمین سونپ دیتے تھے اور وہ اس زمین کو بعد میں مختلف راجپوت سورماؤں کو ان کے کنبے اور گھر کے اخراجات کے لیے دے دیا کرتے تھے۔ زمین، اپنے کنبے اور اپنی عزت سے راجپوتوں کا لگاؤ ان کی خصوصیت تھی۔

2.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- ہندوستان کی تاریخ میں راجپوتوں کے عروج کے بارے میں جان سکیں گے۔
- راجپوتوں کی اصل سے متعلق مختلف نظریات کو سمجھ سکیں گے۔
- اہم راجپوت حکمراں خاندانوں سے واقف ہو سکیں گے۔
- راجپوتوں کی سیاسی تنظیم کا تجزیہ کر سکیں گے۔

2.2 راجپوتوں کے آغاز سے متعلق نظریات (Theories of the Origin of Rajputs)

750ء سے 1200ء کا درمیانی عرصہ ہندوستانی تاریخ میں کئی حکمراں خاندانوں کے عروج اور زوال کا دور رہا ہے۔ ان حکمراں خاندانوں میں گرجر پرتیہار، چوہان، پرمار، چالوکیہ، چندیل، گہڑوال، گہلِ، تومر وغیرہ جیسے اکثر خاندان راجپوت مانے جاتے ہیں۔ راجپوتوں کی ابتدا کے بارے میں مختلف نظریات ہیں جن کا ذکر مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے۔

- غیر ملکی مورخین کے نظریات
- ہندوستانی مورخین کے مختلف نظریات
- ذاتوں کے عروج وارتقا کے روایتی نظریے کی عملی شکل
- سیاسی طاقتوں کے عروج کا قبائلی پس منظر
- مخصوص علاقے میں سماجی اور اقتصادی تبدیلی اور ترقی کا معاون کردار

2.2.1 غیر ملکی آباؤاجداد (Foreign Ancestors)

متعدد یورپی مورخین نے راجپوتوں کو غیر ملکی اصل کا ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کسی حد تک ان کی اس کوشش کے پیچھے اصل مقصد ہندوستان میں غیر ملکی حکومت کی روایت کو ثابت کرنا ہو سکتا ہے۔ اینلز آف راجستھان (Annals of Rajasthan) کے مصنف ، کرنل ٹوڈ (Colonal Tod) کا خیال ہے کہ راجپوتوں کی ابتدا غیر ملکیوں سے ہوئی تھی۔ ان کے مطابق راجپوت، شک، کشان اور ہن جیسے غیر ملکی حکمرانوں کی نسل تھے۔ ٹاڈ کی دلیل یہ ہے کہ اشومیدھ یگیہ، گھوڑے اور ہتھیار کی پرستش، عورتوں کی سماجی حیثیت وغیرہ کے معاملے میں راجپوتوں اور ان غیر ملکی حکمرانوں میں کافی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ ولیم کروک (William Crooke) اور ونسنٹ اسمتھ (Vincent Smith) بھی ٹوڈ سے متفق ہیں اور ان کا بھی خیال ہے کہ راجپوت غیر ملکیوں کی نسل سے تھے۔ خاص طور پر گرجر پرتی ہار ہنوں کے وقت میں ہی ہندوستان آئے تھے اور ان میں سے کچھ خاندان راجپوت چھتریوں کے طور پر ہندوستانی سماج میں شامل ہو گئے تھے۔ بعد کے ادوار میں انہوں نے قدیم ہندوستانی روایت کے ''چندر ونشی'' اور ''سوریہ ونشی'' چھتریوں سے اپنا تعلق قائم کر لیا۔ اسمتھ یہ بھی مانتے ہیں کہ ورن سنکر کی وجہ سے نچلے درجے کے چھتری، راجپوت مانے جانے لگے۔

ہندوستانی مورخین میں ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر (D.R. Bhandarkar) اور ایشوری پرساد (Ishvari Parsad) کے مطابق ہندوستانی سماج میں غیر ملکی نسل کے لوگوں کے شامل ہونے سے راجپوتوں کی تخلیق ہوئی۔ بھنڈارکر نے ایک سکے پر کندہ ''شری واسودیو بہمن'' کی بنیاد پر ساتھ ہی اور کئی دلیلوں کی بنیاد پر چوہانوں کو خزر نامی غیر ملکی ذات کے پجاری طبقے سے متعلق مانا ہے۔

اس تمام بحث ومباحثہ کو ہم ایک اور پہلو سے بھی دیکھ سکتے ہیں۔ جو غیر ملکی قومیں ہندوستان آئیں وہ راجپوتوں کی طرح جنگجو اور لڑاکو تھیں۔ جنگی ہتھیاروں اور گھوڑوں کی اہمیت ساتھ ہی عورتوں کی مخصوص سماجی حیثیت ان سبھی میں ایک دوسرے کے اثرات کے بنا بھی

آزادانہ طور پر موجود ہو سکتی ہے۔اس لیے ان راجپوتوں کو غیر ملکی ماننے کے لیے رسم ورواج کے اثرات کی دلیل کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے لیکن ہمیں تاریخی شواہد سے ہن نسل کے حکمرانوں کے راجپوت ذات میں شامل ہونے کے کافی ثبوت ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر بنافر راجپوتوں میں بنسفر اور تومر راجپوتوں کو ہن تورامن سے جوڑا جاتا ہے۔ برہمنوں میں شاکل دویپی برہمن ایران کے مگ پجاریوں کی نسل ہیں ۔ان مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سبھی راجپوت خاندانوں کو غیر ملکی ماننا سراسر غلط اور گمراہ کن ہے۔

2.2.2 قدیم چھتری قبیلے کی نسل سے (Theory of Kshatriya Lineage)

راجپوتوں کی غیر ملکی اصل کے برخلاف گوری شنکر ہیرا چند اوجھا(Gaurishankar Hirachand Ojha)کا خیال ہے کہ راجپوت قدیم چھتری قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔کچھ پرانے ریکارڈوں اور کاویوں کی دلیل کی بنیاد پر اوجھا جیسے مورخین کا خیال ہے کہ وہ سوریہ ونشی (سورج کی نسل کے)راجپوت تھے۔ٹاڈ کی دلیل کو رد کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ اشومیدھ یگیہ ،گھوڑے اور ہتھیار کی پرستش غیر ملکیوں میں رائج تھی اور غیر ملکی حکمراں طبقے نے انہیں مقامی راجپوتوں سے اخذ کیا تھا۔اوجھا کا ماننا ہے کہ راجپوت اپنے ذاتی اوصاف اور جسمانی ساخت میں بھی قدیم چھتریوں کی نسل محسوس ہوتے ہیں۔بعض مورخین کے مطابق چھتری سامنتوں کے غیر قانونی بچے (جنہیں حکمرانوں سے خصوصی اراضی بطور امداد ملی اور وہ بڑی بڑی زمینوں کے مالک تھے)راجپتر کہلاتے تھے۔بعد میں انہیں راجپوتوں کے نام سے جانا گیا۔

راجپوتوں کے ابھرنے کے مسئلے کی جڑ میں قدیم ہندوستانی ورن نظام کا پیمانہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔اسی وجہ سے شاستروں کے نظام کے تحت ہم پاتے ہیں کہ صرف چھتری ذات کو ہی حکمرانی کا اہل سمجھا گیا ہے۔یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ برہمن یا پجاری ہی اس نظام کے کٹر حامی تھے۔ حالانکہ عام طور پر کسی بھی ذات کا کوئی بھی قابل آدمی سیاسی طاقت کو منظم کر سکتا تھا یا پھر حکمراں بن سکتا تھا۔مہاپدم نند،چندر گپت موریہ،پشیہ متر شنگ وغیرہ قدیم زمانے سے ہی ایسی مثالیں پیش کرتے آئے ہیں۔منو یا یگناوالکیہ جیسے ویدوں کے مفسرین نے ''جاتی اُپکرش''(نیچ ذات سے اونچی ذات میں اٹھنا)اور ''جاتی اَپکرش''(اونچی ذات سے نیچی ذات میں گرنا) کو جو پچھلے جنم (پیدائش) سے متعلق کیا ہے اس کے پیچھے سماجی کٹرپن سے زیادہ روایتی سماج کو مضبوطی دینے کا احساس موجود ہے۔دو چار پیڑھی کے فرق سے ہی کسی خاندان کے اونچی یا نیچی ذات میں تبدیل ہونے کے سماجی عمل سے یہ سماج کے منظمین ناواقف نہیں سکتے۔ایسے بدلاؤ چاہے کبھی کبھار ہی ہوتے ہوں لیکن معاشی اور سماجی حالات کے بدلنے کے ساتھ ہی ایک جگہ سے دوسری جگہ ہجرت کر جانے کی وجہ سے اس طرح کے سماجی بدلاؤ کی متعدد مثالیں حاصل ہوتی ہیں۔کسی شاہی خاندان کو چھتری یا برہمن نسل سے ثابت کرنے کے لیے بنائی گئی کہانیوں کا مقصد اس خاندان کو سماج میں عزت واحترام دلانا تو ہوتا ہی تھا ساتھ ہی اس میں ہندوستانی تہذیب کی حفاظت کی بھی امید کی جاتی تھی۔کچھ اساطیروں (افسانوی داستانوں) میں یہ بات بطور خاص ظاہر ہوتی ہے۔

2.2.3 اگنی کل نظریہ (Agnikula Theory)

ہندی کے مشہور شاعر چندر بردائی کے ساتھ ساتھ کئی دوسرے شاعروں اور مصنفوں نے اگنی کل کا افسانہ پیش کیا ہے۔اس قدیم کہانی کے مطابق آبو پہاڑ پر وشومتر، گوتم اور اگستیہ رشیوں کے یگیہ کی اسروں یعنی شیطانوں سے حفاظت کے لیے وششٹھ منی نے پرتیہار، چالوکیہ، پرمار اور آخر میں چوہان (چوہان) کو اگنی کنڈ (آتش دان) سے پیدا کیا۔

ٹاڈ، اسمتھ، بھنڈارکر جیسے مورخین نے اس افسانوی نظریے کو غیر ملکی حکمران طبقے کو راج پوت ذات میں تبدیل کرنے کے عمل کا حصہ مانا ہے۔اس افسانے میں اتنی سچائی تو ضرور ہے کہ یگیہ اور دھرم کی حفاظت راجپوت یا چھتری کے ذریعے ہی ممکن مانی گئی ہے۔یہ بھی سچ ہے کہ صرف ان چار خاندانوں کو ہی ویدک سماج خاص طور پر برہمنوں نے قانونی طور پر چھتری حکمران تسلیم کیا ہے۔اس افسانے سے صرف ان کے اصل ابتدا کا علم ہی نہیں ہوتا بلکہ ان خاندانوں کے ویدک اصل کا چھتری ہونا شک و شبے سے بالا تر معلوم ہوتا ہے۔حالانکہ پرشستیوں کے مصنفین اور ہمعصر مورخین نے بھی اس میدان میں قابل ذکر کوششیں کی ہیں۔رتن پال کے سیواڑی تانبے کے کتبے میں چوہانوں کی ابتدا اندر سے مانی گئی ہے۔چوہان گوترا چار میں انہیں سوم ونشی (چندرونشی) اور پرتھوی راج وجے، ہمیر راسو اور پرتھوی راج سوم کے بیدل کتبے میں چوہانوں کو سوریہ ونشی اعلان کیا گیا ہے۔چونکہ اس نظریے کو سائنسی علم کی بنیاد پر قبول نہیں کیا جا سکتا اس لیے یہ ایک غیر معتبر نظریہ ہے۔

یہاں اگنی کل افسانے کے ضمن میں راماین اور مہابھارت میں پائی گئی اسی طرح کی ایک کہانی کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔اس کہانی کے مطابق چھتری طاقت کی علامت وشومتر کے ذریعے وششٹھ کی گائے نندنی کے زبردستی اغوا کو روکنے کے لیے نندنی کے مختلف اعضا سے پلوہ (پہلو)، دراوڑ، شک، یون، شبر، سنہال، روس، پلند، چین اور ہن وغیرہ ہندوستانی اور غیر ملکی ذات کے جنگجو پیدا ہوئے۔اس کہانی میں برہمنوں۔چھتریوں کے درمیان موجود کشمکش تو واضح ہے لیکن نندنی سے پیدا ہونے والی مختلف ذاتوں کو چھتری ماننے کے بجائے انہیں چھتری اقتدار کا مخالف ظاہر کیا گیا ہے۔

منو نے شک، یون، لچھوی، مل، دراوڑ، چین وغیرہ متعدد ذاتوں کو بنیادی طور پر چھتری لیکن شودر کی سطح کا مانا ہے۔اس منووادی نظام کو اگر ہم اگنی کل مفروضے پر نہ بھی تھوپیں تو بھی یہ تاریخی حقیقت ہے کہ غیر ملکی اور ہندوستانی اصل کے لوگوں کا مخصوص سماجی، اقتصادی اور سیاسی سطح پر اونچی سے نیچی اور نیچی سے اونچی ذات میں جانا چلتا رہا۔ویدک روایت کے مشہور چھتریوں میں اٹھارہ ریاستوں کا خاتمہ کرنے والے مہاپدم نند نچلی ذات کے سمراٹ یا شہنشاہ تھے۔بودھ روایت میں چھتری ہونے پر بھی برہمن متنوں میں موریوں کو ویدک چھتری نہیں مانا گیا۔ایسا معلوم ہاتا ہے کہ آنے والی صدیوں میں کافی جدوجہد کے بعد شنگ، کنو، ستواہن اور کدمب جیسے برہمن خاندانوں نے اپنی حکومت قائم کی تھی۔کدمب خاندان کے میور شرمن کی اولاد دو سو تیرہ نسلوں کے بعد ورمن نام اختیار کرکے جاتیا پکرش (اونچی ذات سے نیچی ذات میں گرنا) کی واضح مثال پیش کرتی ہے۔ان سبھی حکمراں خاندانوں کے علاوہ واکاٹک، گپت، اور ہرش قدیم ویدک طرز کی چھتری حکمرانی کی روایت

کو بالکل ہی ختم کر چکے تھے، حالانکہ اس طرح کے چھتری عام طور پر یا خاص طور پر سماج میں موجود ضرور تھے۔

2.2.4 برہمن نسل کا نظریہ (Theory of Brahmana Lineage)

دشرتھ شرما (Dashrath Sharma) اور وشمبر سرن پاٹھک (Vishambar Saran Pathak) کا خیال ہے کہ اس وقت کے راجپوتوں کی ابتدا برہمنوں سے ہوئی ہے۔ بجولیا کے فرمان میں چوہانوں کو وتس گوتریہ، برہمنوں اور واسودیو کے جاگیر دار جانشینوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پرتھوی راج راسو بھی وتس سے چوہانوں کی ابتدا کو بیان کرتی ہے۔ چنانچہ ان مورخین کے مطابق چوہان برہمن ذات سے تھے حالانکہ ذات پات کی ابتدا اس اکائی کا موضوع نہیں ہے۔ اس عہد کے اہم شاہی خاندانوں کی ابتدا سے متعلق متعدد تاریخی شواہد کو پیش کیا جاسکتا ہے لیکن یہاں پر جدید مورخین کے ذریعے دی گئی دلیلوں کا تجزیہ ہی بہتر لگتا ہے۔ ایسا کرنے کا بنیادی سبب تو یہی ہے کہ اہم غیر ملکی مورخین کے ذریعے راجپوتوں کے غیر ملکی ذاتوں سے ابھرنے کے نظریے کا تجزیہ ہم اوپر کر چکے ہیں۔

کتبوں کے مطابق بھنڈور کے پرتی ہار برہمن ہریش چندر کی چھتری نسل کی بیوی بھدرا کی اولاد تھے۔ پرمار، آبو پہاڑ کے وششٹھ گوتر کے برہمن اور چوہان، وتس گوتر کے برہمن معلوم ہوتے تھے۔ چندیلوں کی ابتدا سے متعلق مفروضہ کہانی میں انہیں کاشی کے شاہی پجاری چندراترِیی کی لڑکی سے پیدا شدہ بتایا گیا ہے۔ کئی دانشور ایسا مانتے رہے ہیں کہ گہلں خاندان، جس میں راناپرتاپ کی پیدائش ہوئی، کے بانی بپا راول، ناگر برہمن تھے۔ بعد کے دانشوروں نے اس خاندان کو بھی رام چندر جی کے خاندان سے منسوب کر کے انہیں سوریہ ونشی چھتری ثابت کرنے کی بھرپور کوششیں کی ہیں۔

2.2.5 مخلوط نسل کا نظریہ (Theory of Mixed Race)

ونسنٹ آرتھر اسمتھ کا خیال ہے کہ راجپوت کچھ قدیم چھتریوں اور کشانوں کی مخلوط نسل تھے۔ ان غیر ملکی نسلوں کا ہندوستانی لوگوں کے ساتھ میل جول ہوا۔ نتیجتاً اُن سے پیدا ہونے والی حکمراں نسل کو راجپوت کہا جانے لگا۔ یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ راجپوت مخلوط نژاد تھے اور چوہان ان کی اولاد تھے، اور یہ ہندوستانی تاریخ کا سب سے زیادہ قبول شدہ نظریہ ہے۔ مندرجہ بالا تجزیے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مختلف نظریات ایک دوسرے کی صداقت پر سوالیہ نشان کھڑے کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شرما کی یہ دلیل کافی حد تک قابل یقین ہے کہ چوہانوں کو برہمنی نظام کی حفاظت کی وجہ سے چھتری مانا گیا ہے۔

2.2.6 قبائلی پس منظر کا نظریہ (Theory of Tribal Background)

اسمتھ نے گہری کھوج بین کے بعد یہ نظریہ پیش کیا کہ گونڈ، بھر، خروار نامی قبیلوں سے چندیل، راٹھور اور گہڑوال جیسے خاندانوں کی پیدائش ہوئی۔ نظریاتی طور پر یہ ماننے میں کوئی حرج نہیں ہے کہ کھیتی باڑی، سیاسی اقتدار اور ورن نظام کے پھیلنے سے قبیلوں میں سماجی درجہ بندی ضرور ہوئی ہوگی۔ گونڈ، بھر، خربار ذاتوں کے پجاریوں اور سرداروں کے ذریعے برہمن اور چھتری کی حیثیت حاصل کرنے کی مثالیں ملتی

ہیں، لیکن پورے قبیلے کی بنسبت کچھ ایک خاندانوں میں اس طرح کی تبدیلی کا پایا جانا زیادہ قابل قبول ہے۔ مخصوص علاقے میں مضبوط معاشی بنیاد کی وجہ سے قبائلی سرداروں کے ذریعے سیاسی تنظیم مہیا کرنے کے ثبوت بھی ملتے ہیں۔ قدیم عہد سے ہی نند، موریہ، گپت، ہرش اور متعدد دوسرے راجپوت حکمراں اسی قبائلی روایت سے جڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ نئی اقتصادی، سماجی اور تہذیبی تبدیلی کے سبب ویدک چھتریوں کی حکمرانی کی روایت کا خاتمہ اور ورن نظام کی بنیاد پر نئے چھتری طبقے (ذات) کی پیدائش ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یہاں چوہانوں میں حکومت کی مختلف اکائیوں اور اعلیٰ فوجی عہدوں پر راجا اپنی ذات-خاندان کے ولی عہد اور دوسرے لوگوں کو بڑی تعداد میں متعین کرتا تھا، جسے ایک حد تک ہم ذاتی حکمرانی (Clan Monarchy) کہا جاسکتا ہے۔

اس ضمن میں راجپوت (مہابھارت اور ہرش چرتر میں مذکور راجپتر لفظ کی اپبھرنش شکل) لفظ پر غور کرنا کافی ضروری ہے۔ راجپوت یعنی راجا کا بیٹا کسی خاص فرد کے لیے استعمال ہونا عام بات ہے، لیکن یہاں ایک خاص ذات کے لیے استعمال کیا جاتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یقیناً ہی اس کی مخصوص سماجی اور ثقافتی اہمیت ہے۔ ساتھ ہی موریہ، گپت وغیرہ خاندانوں کو چھتری ثابت کرنا ورن نظام سے خصوصی لگاؤ کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن یہاں یہ سوال زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ متعدد برہمنوں اور قبائلی سرداروں کو راجپوت ثابت کرنے کی خاص ضرورت کیوں محسوس ہوئی، جب کہ شنگ، کنو، ساتواہن، واکاٹک، کدمب، گپت، ہرش وغیرہ کے تعلق سے ایسا نہیں ہوا۔ یقیناً ہی اس کے پیچھے متعدد تاریخی وجوہات موجود تھیں، یہاں ان کا تفصیلی تجزیہ ممکن نہیں۔ اس تعلق سے تین اہم باتوں پر دھیان دینا بہت ضروری ہے۔

- پہلی نئے حکمران خاندانوں کی مخصوص سماجی سمجھ۔ 'چھتری' لفظ کی مانند ہی 'راجپوت' لفظ بھی تاریخی سلسلہ واقعات میں ذات کی طرف اشارہ کرے گا۔ ایسی حالت میں کسی حکمراں طبقے کے خاص اور عام طور پر ہم ذات شخص کے لیے راجپوت لفظ کا استعمال یقیناً ہی اسے اس خاندان کے شاہی اقتدار کے قریب لاتا ہے۔ اس لفظ کے ابتدائی استعمال کا یہی مطلب ممکن ہے۔ ہم مان سکتے ہیں کہ مخصوص خاندان کے اقتدار کی بنیاد اسی ذات کے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ بنیادی طور پر قبائلی احساس و شعور کو بھی ظاہر کرتا ہے، جو عہد وسطیٰ کے سماجی شعور کا حصہ تھا اور ترکوں اور افغانوں میں بھی موجود تھا۔
- دوسری اہم بات یہ ہے کہ عہد وسطی کی حکمرانی کی روایت نے ایک مخصوص تہذیبی شعور پیدا کیا، جسے ہم آسان لفظوں میں 'راجپوت ثقافت' کہہ سکتے ہیں۔ اس ثقافت میں متعدد عناصر شامل تھے، جیسے راجپوتوں جنگ پسندی، بہادری، رحم دلی، کثیر ازدواجی، حکمرانی کی مہارت، قربانی کا جذبہ، مخصوص طرز کے رسم ورواج، فن تعمیر، کھان پان، لباس اور زیورات وغیرہ۔
- تیسری اہم بات غیر ملکی حملوں کے خلاف مسلسل جدوجہد کی وجہ سے یہ برہمنی سماج کے رہنما مان لیے گئے اور راجپوت ذات کی مخصوص سماجی حیثیت مسلم ہوگئی۔

2.3 ہندوستانی سیاست میں راجپوتوں کا عروج (Rise of the Rajputs in Indian Politics)

مشہور مورخ عرفان حبیب اپنی کتاب Medieval India: An Study of Civilisation میں لکھتے ہیں:

ہندوستانی قسم کے جاگیرداری نظام کی نشوونما میں جنگ کے اوزاروں، جنگی طریقوں اور فوجی تنظیم میں نئی تبدیلیوں کی وجہ سے مزید تیزی آئی۔ ساتویں صدی آتے آتے جنگ میں رتھوں کے استعمال کو چھوڑ دیا گیا اور گھوڑ سوار زیادہ اہمیت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ جنگ میں گھوڑ سواروں کی بڑھتی ہوی کارکردگی کی وجہ غالباً باقاعدہ زین اور چوبی تختے والی رکاب رہی ہوگی۔ لفظ ''راجپتر'' جس کو پراکرت میں ''راوت'' اور ہندی میں ''راجپوت'' کہیں گے، عام طور پر چنے ہوے ماہر گھوڑ سواروں کے لقب کے طور پر استعمال کیا جانے لگا۔ یہ راجپتر یا راوت عموماً گھوڑ سوار تھے جو جنگ میں نیزے استعمال کرتے تھے اور اس بات کی صلاحیت رکھتے تھے کہ اپنے ایک سردار کی ماتحتی میں فوجی دستہ بنا کر کسی بڑے علاقے پر قبضہ جمالیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک اس علاقے کے کسی نہ کسی حصے پر اپنی عملداری قائم کرے۔ اس عملداری کے نتیجے میں لازمی طور پر حکام کا ایک سلسلہ مراتب (hierarchy) بن گیا۔ اس سیڑھی یا پائیدان میں سب سے نیچے راجپتر تھے جو چھوٹے چھوٹے علاقوں پر موروثی قبضہ جما لیتے تھے۔ ان کے اوپر کئی اعلیٰ حاکم وجود میں آئے جن کو ''سامنت''، ''ٹھاکر''، ''رانا'' یا ''نایک'' وغیرہ کہا جاتا تھا۔۔ اس نظام میں حکمراں ''راجا'' یا ''رانا'' کی اصل حیثیت مقامی سرداروں کے غیر رسمی گٹھ بندھن کے سربراہ کی سی تھی، جہاں ایک طرف وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس حکمراں کے اختیارات کم ہوتے گئے، وہیں دوسری طرف اس کے خطابات اور زیادہ لمبے چوڑے ہوتے گئے۔

2.4 سیاسی تنظیم (Political Orgnisation)

ان سلطنتوں کا نظام حکومت گپت سلطنت، شمال میں ہرش کی حکومت اور جنوب میں چالوکیہ حکمرانوں کے خیالات اور روایات پر مبنی تھا۔ حسب سابق سلطنت کا سارا اقتدار راجا میں مرکوز تھا۔ وہ حکومت کا سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ مسلح افواج کا کمانڈر ان چیف بھی ہوتا تھا۔ اس کا دربار بہت عظیم الشان ہوتا تھا۔ محل کے سامنے کی کھلی مسطح زمین پر گھڑ سوار اور پیادہ فوج تعینات رہتی تھی۔ جنگ میں پکڑے گئے ہاتھیوں اور گھوڑوں کی قواعد اس کے سامنے ہوتی تھی۔ شاہی حاجب (چوبدار) حاضر رہتے تھے، جو راجا کے دربار میں حاضری دینے والے باج گزار سرداروں، سامنتوں، سفیروں اور دوسرے اعلیٰ عہدے داروں کی آمد و رفت کا بندوبست کرتے تھے۔ راجا انصاف بھی کرتا تھا۔ دربار صرف سیاسی سرگرمیوں اور انصاف کا ہی مرکز نہیں تھا بلکہ تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیوں کا مرکز بھی تھا۔ رقاصائیں اور ماہر موسیقار بھی ہوتے تھے۔ تقریب کے موقعوں پر شاہی خاندان کی عورتیں بھی دربار میں موجود رہتی تھیں۔ عرب سیاحوں کے بیان کے مطابق راشٹر کوٹ ریاست میں شاہی خاندان کی عورتیں چہرے کو ڈھکتی نہیں تھیں۔

عام طور پر راجا موروثی ہوتا تھا۔ اس زمانے میں عدم تحفظ کی وجہ سے اس وقت کے مفکر راجا کے تئیں مکمل وفاداری اور تابعداری پر زور دیتے تھے۔ راجاؤں کے درمیان نیز راجاؤں اور سامنتوں کے درمیان مسلسل جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اگرچہ راجا اپنی سلطنتوں میں امن و

قانون قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے لیکن ان کی طاقت لامحدود اور بہت وسیع نہیں ہوتی تھی علاقائی حکمران اور خود مختار سردار اکثر براہِ راست انتظام والے علاقے کو محدود کر دیتے تھے۔ اس وقت کے ایک مصنف میدھا تیتھی کا خیال ہے کہ اس وقت کسی بھی شخص کو چوروں اور قاتلوں سے تحفظ کے لیے اپنے پاس ہتھیار رکھنے کا حق تھا۔ اس کا یہ بھی خیال ہے کہ ایک ظالم اور بے انصاف بادشاہ کی مخالفت کرنا درست تھا۔ اس طرح گویا شاہی حقوق اور مراعات کے بارے میں وقطعی تصور، جس کا بیشتر ذکر وضاحت کے ساتھ پرانوں میں نہیں کیا گیا ہے، تمام مفکرین کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔

جانشینی کا طریقہ قطعی اور جامد نہیں تھا۔ اگرچہ عام طور پر سب سے بڑا لڑکا ہی جانشین ہوتا تھا لیکن کئی ایسی مثالیں بھی ہیں کہ سب سے بڑے بھائی کو چھوٹے بھائیوں سے جنگ کرنی پڑی تھی اور کبھی کبھی تو شکست کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس طرح راشٹر کوٹ حکمرانوں کا دھر واور گووند چہارم نے اپنے بڑے بھائیوں کو ہی بے دخل کیا تھا۔ بعض اوقات راجا اپنے سب سے بڑے بیٹے یا کسی چہیتے بیٹے کو اپنا جانشین یا ولی عہد نامزد کر دیا کرتا تھا۔ ایسی صورت میں ولی عہد راجدھانی میں رہ کر حکومت چلانے میں راجا کی مدد کرتا تھا۔ چھوٹے شہزادوں کو کبھی کبھی صوبائی گورنر بنایا جاتا تھا۔ شہزادیوں کا تقرر کسی سرکاری عہدے پر شاید ہی کبھی ہوتا ہو لیکن ایک ایسی مثال ہے کہ ایک راشٹر کوٹ شہزادی چندر و لبھی نے، جو کہ اموگھ ورش کی لڑکی تھی، کچھ عرصے کے لیے رائچور کے دوآبہ پر حکومت کی تھی۔

عام طور پر راجا کو مشورہ دینے کے لیے کچھ وزیر ہوتے تھے۔ راجہ ان وزیروں کا انتخاب سرکردہ خاندانوں سے خود ہی کرتا تھا۔ ان وزیروں کا عہدہ بھی اکثر موروثی ہی ہوتا تھا۔ پال راجاؤں کے عہد حکومت میں ایک ہی برہمن خاندان کے چار لوگ مسلسل طور پر دھرم پال اور اس کے جانشینوں کے وزیر اعلیٰ رہے تھے۔ ایسی صورت میں وزیر کبھی کبھی بہت طاقت ور بھی ہو جایا کرتے تھے۔ اگرچہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت کے کئی محکمے ہوتے تھے لیکن ان محکموں کی تعداد اور طریقہ کار کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ قدیم کتبوں اور ادبی کتابوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اکثر سبھی سلطنتوں میں وزیر خارجہ، وزیر مالیات، خازن، مسلح افواج کا سربراہ (سیناپتی)، منصف اعلیٰ اور پجاری ہوتے تھے۔ ایک شخص ایک سے زائد عہدے بھی سنبھال سکتا تھا۔ وزیروں میں بھی ایک وزیر اعلیٰ یا وزیر اعظم ہوتا تھا جس پر راجا دوسرے وزیروں کے مقابلے میں زیادہ انحصار کرتا تھا۔ پجاری کے علاوہ سبھی وزیروں کو ضرورت پڑنے پر فوجی مہموں کی قیادت کے لیے بھی کہا جا سکتا تھا۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ محل سرا کے لیے بھی عہدے دار ہوتے تھے چونکہ راجا سبھی طاقتوں کا سرچشمہ ہوتا تھا اس کی محل سرا کے کچھ افسر بھی بہت طاقتور ہو جایا کرتے تھے۔

مسلح افواج، دفاع اور سلطنت کی توسیع کے لیے بہت اہمیت رکھتی تھیں۔ ہم عرب سیاحوں کے سفر ناموں سے اس بات کے شواہد پہلے ہی پیش کر چکے ہیں کہ پال، پرتی ہار اور راشٹر کوٹ حکمرانوں کے پاس بڑی تعداد میں اور بہت ہی منظم پیادہ اور گھڑ سوار فوج تھی اور بڑی تعداد میں جنگی ہاتھی تھے۔ ہاتھی طاقت کی علامت سمجھے جاتے تھے اور ان کی بہت اہمیت تھی۔ پال خاندان کے حکمرانوں کے پاس سب سے زیادہ ہاتھی تھے۔ راشٹر کوٹ اور پرتی ہار حکمران سمندری راستے سے عرب اور مغربی ایشیا سے، زمینی راستے سے وسطی ایشیا سے بڑی تعداد میں

گھوڑے منگایا کرتے تھے۔ ملک بھر میں پرتی ہار حکمرانوں کی گھڑ سوار فوج سب سے بہترین مانی جاتی تھی۔ رتھوں کا کوئی حوالہ نہیں ملتا کیونکہ جنگ میں ان کا استعمال بند ہو چکا تھا۔ کچھ راجاؤں، خاص طور پر راشٹر کوٹ حکمرانوں کے پاس بہت تعداد میں قلعے تھے۔ ان قلعہ جات میں خاص قسم کی فوجیں رہتی تھیں۔ پیدل فوج کی تشکیل، باقاعدہ نیز بے قاعدہ طور پر اور سامنتوں کے ذریعہ فراہم کردہ سپاہیوں سے ہوتی تھی۔ باقاعدہ قسم کی فوجیں اکثر موروثی ہوتی تھیں اور بعض اوقات ہندوستان کے مختلف علاقوں سے بھرتی کی جاتی تھیں۔ اس طرح پال حکمرانوں کی پیدل فوج کامروپ، گوڑ، مگدھ اور اڑیسہ کے سپاہیوں کو ملا کر بنائی گئی تھی۔ پال حکمرانوں اور راشٹر کوٹ حکمرانوں کی اپنی بحری فوج تھی لیکن ان کی تعداد اور بناوٹ کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہو سکی ہیں۔

سلطنت میں دو طرح کے علاقے ہوتے تھے، ایک تو وہ جن پر راجا کا براہ راست اقتدار و تسلط ہوتا تھا اور دوسرے وہ جن پر سرداروں کی حکومت ہوتی تھی۔ یہ سردار اندرونی معاملات کے سلسلے میں خود مختار ہوتے تھے لیکن اپنے مقتدر اعلیٰ کے تئیں وفاداری اور تابعداری رکھنی ہوتی تھی اور طے شدہ تعداد میں فوج فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی تھی۔ سردار، راجا کے خلاف بغاوت نہ کر سکیں، ان کی جگہ پر ان کے ایک بیٹے کو راجا کے حضور میں رہنا پڑتا تھا۔ خاص موقعوں پر جاگیرداروں اور سرداروں کو دربار میں حاضری دینی ہوتی تھی اور کبھی کبھی تو اپنی کسی ایک لڑکی کی شادی راجا یا اس کے کسی لڑکے کے ساتھ کرنی پڑتی تھی لیکن یہ باج گزار سردار آزاد ہونے کے ہمیشہ خواہش مند رہتے تھے جس کی وجہ سے ان کے اور ان کے مقتدر اعلا کے درمیان اکثر جنگیں بھی ہوتی تھیں۔ اس طرح راشٹر کوٹ راجاؤں کو وینگی (آندھرا) اور کرناٹک کے باج گزار سرداروں کے خلاف نیز پرتی ہار راجاؤں کو پرماروں اور بندیل کھنڈ کے چندیلوں کے خلاف مسلسل لڑنا پڑتا تھا۔

پال اور پرتی ہار حکمرانوں کی جن علاقوں پر براہ راست حکومت تھی وہ بھکتی (صوبوں) اور منڈل یا وشیہ (ضلعوں) میں تقسیم تھے۔ صوبے کے حاکم یا گورنر کو اپرک اور وشیہ کے سربراہ کو وشیہ پتی کہا جاتا تھا۔ اپرک سے زمین کا محصول وصول کرنے اور فوج کی مدد سے امن و قانون قائم رکھنے کی توقع کی جاتی تھی۔ وشیہ پتی سے بھی اپنے اختیار کے علاقے میں اس طرح کے کام کی توقع کی جاتی۔ اس مدت میں ایسے چھوٹے سرداروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا جو سامنت (جاگیردار) یا بھوگ پتی کہلاتے تھے اور کچھ گاؤں پر قبضہ جما کر ان پر حکومت کرتے تھے۔ کسی مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے سرکاری افسر وشیہ پتی اور ان چھوٹے سرداروں کے درمیان فرق مٹتا چلا گیا اور گزرتے زمانے کے ساتھ ساتھ سامنت کی اصطلاح بلا کسی امتیاز ان دونوں کے لیے ہی استعمال کی جانے لگی۔

راشٹر کوٹ سلطنت میں براہ راست تسلط والے علاقوں کو راشٹر (صوبہ)، وشیہ اور بھکتی میں تقسیم کیا گیا۔ راشٹر کا سربراہ راشٹر پتی کہلاتا تھا اور پال نیز پرتی ہار سلطنت کے اپرک جیسے ہی کام انجام دیتا تھا۔ وشیہ کی نوعیت آج کل کے ضلع جیسی تھی اور بھکتی اس سے بھی چھوٹی اکائی تھی۔ پال اور پرتی ہار سلطنتوں میں وشیہ سے چھوٹی اکائی کہلاتی تھی۔ ان چھوٹی اکائیوں واں کے لیے طے کیے گئے کاموں کے بارے میں ابھی تک کوئی معلومات حاصل نہیں ہو سکی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اہم مقصد زمینی محصول وصول کرنا اور کسی حد تک امن اور قانون قائم رکھنا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ تمام افسروں کو تنخواہ ادائیگی محصول سے آزاد زمین کی شکل میں کی جاتی تھی۔ اس سے ان افسروں نیز موروثی

سرداروں اور چھوٹے سامنتوں (جاگیرداروں) کے درمیان کا فرق کم ہو گیا تھا۔اسی طرح بعض اوقات راشٹر پتی (صوبائی گورنر) کو ایک جاگیر دار راجہ کا عہدہ اور حیثیت بھی حاصل ہو جاتی تھی۔

اس علاقائی تقسیم کے سب سے نیچے گاؤں تھے۔ گاؤں کو انتظامیہ کی بنیادی اکائی کی حیثیت حاصل تھی۔ گاؤں کا نظم گاؤں کا مکھیا اور گاؤں کے پٹواری چلاتے تھے جس کا عہدہ موروثی ہوتا تھا اور انہیں تنخواہ کی شکل میں بنا محصول والی زمین ملتی تھی۔ گاؤں کے کاموں میں مکھیا کی مدد گاؤں کا بزرگ کرتا تھا جسے گرام مہاجن کہا جاتا تھا۔ راشٹر کوٹوں کی سلطنت میں گرام کمیٹیاں ہوتی تھیں جو مقامی مندروں اور سڑکوں کا بندوبست کرتی تھیں۔ یہ کمیٹیاں ٹرسٹ کی شکل میں رقم جائداد بھی لے سکتی تھیں۔ بندوبست کر سکتی تھیں۔ یہ ذیلی کمیٹیاں مکھیا کے ساتھ تعاون کرتی تھیں اور انہیں زمین کی محصول کی وصولی کا ایک حصہ بھی ملتا تھا۔ یہ کمیٹیاں چھوٹے موٹے معاملات کا تصفیہ بھی کرتی تھیں۔ شہروں میں بھی اسی طرح کی کمیٹیاں ہوتی تھیں۔ ان میں تجارتی اور کاروباری انجمنوں کے سربراہ شامل ہوتے تھے۔ شہر اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں امن وامان قائم رکھنے کی ذمہ داری کوشٹ پال یا کوتوال کی ہوتی تھی جس کا ذکر متعدد قصے کہانیوں میں بھی ملتا ہے۔

اس عہد کی ایک اہم خصوصیت دکن میں موروثی مالیاتی افسروں کا عروج تھا جنہیں نادو گوڑا یا نادو گوونڈا کہا جاتا تھا۔ انہیں وہی کام کرنے پڑتے تھے۔ جو بعد میں مہاراشٹر کے دیش مکھوں اور دیش پانڈوں کو سونپے گئے تھے۔ اس بات کے ساتھ ساتھ شمالی ہندوستان میں چھوٹے سرداروں کے عروج سے، جس کا ذکر ابھی کیا گیا ہے، سماج اور سیاست پر اہم اثرات مرتب ہوئے۔ ان موروثی عناصر کی طاقت میں اضافہ ہوتے ہی دیہی کمیٹیاں کمزور پڑنے لگیں۔ مرکزی حکمران کے لیے بھی ان موروثی عناصر پر اپنا اقتدار قائم رکھنا کافی مشکل ہو گیا تھا اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکومت جاگیردارانہ نظام میں ڈھلتی جارہی تھی۔

اس عہد کی یاد رکھنے کی ایک دوسری اہم بات مذہب اور سیاست کا آپسی تعلق ہے۔ اس عہد کے متعدد مذہب پسند حکمران شیومت کے ماننے والے تھے یا وشنومت پر عمل کرتے تھے یا پھر بدھ مذہب یا جین مذہب کی تعلیمات کی پیروی کرتے تھے۔ یہ حکمران برہمنوں یا بودھ وہاروں یا جین مندروں کو وافر مقدار میں عطیہ دیا کرتے تھے لیکن عام طور پر سبھی مذہبوں کی سرپرستی کرتے تھے اور کسی کو ان کے مذہبی عقائد کی وجہ سے تکلیف نہیں پہونچاتے تھے۔ راشٹر کوٹ راجاؤں نے مسلمانوں کا بھی خیر مقدم اور انہیں اپنے مذہب کی تبلیغ کی اجازت بھی دی۔ عام طور پر کسی بھی راجا سے دھرم شاستر کی کتابوں میں مذکور ضابطہ اخلاق یا رسوم ورواج میں مداخلت کرنے کی توقع نہیں کی جاتی تھی لیکن برہمنوں کی حفاظت کرنا اور سماج کے چاروں طبقوں ورنوں کی روایات کو برقرار رکھنا اس کا عام فریضہ ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں پجاری سے راجا کو مشورہ دینے کی توقع کی جاتی تھی لیکن یہ ہر گز نہیں سمجھنا چاہیے کہ پجاری، راجا کے کاموں میں مداخلت کرتے تھے یا وہ راجا پر حاوی ہوتے تھے۔ اس عہد میں دھرم شاستر کے سب سے پہلے شارح میدھا تیتھی کا کہنا تھا کہ راجا کا اختیار ویدوں کے بقول دھرم شاستر نیز ارتھ شاستر یا علم سیاسیات سے ہی ماخوذ ہے۔ اس کا عوامی فریضہ یا راج دھرم، ارتھ شاستر یعنی علم سیاسیات پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس کا حقیقی مطلب یہ تھا کہ علم سیاسیات اور مذہب کو ایک دوسرے سے الگ رکھا جاتا تھا۔ اور مذہب راجا کا بالکل ذاتی فریضہ ہوتا تھا۔ اس طرح راجا پر پروہت یا دھرم

شاستر کا غلبہ یا کنٹرول نہیں ہوتا تھا۔

2.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ راجپوتوں کی ابتدا کا سوال ایک وسیع تاریخی سیاق پیش کرتا ہے۔ راجپوت خاندانوں کی ابتدا، غیر ملکی پجاریوں، قبائلیوں یا ویدی چھتریوں سے ہونا فطری لگتا ہے۔ اس سماجی عمل میں کام کے مطابق اونچی ذات میں جانا یا نچلی ذات میں گرنا، دونوں پائے جاتے تھے۔ ساتھ ہی اس عمل میں عظیم معاشی اور سماجی تبدیلیوں سے ابھرنے والے عہد وسطیٰ کے شعور کی تاریخی لازمیت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ عرفان حبیب کے مطابق راجپوتوں کی سیاست اس وقت کے عام حالات سے متاثر تھی، کیونکہ یہ دور زمین کی ملکیت پر مبنی سیاسی تعلقات کا دور تھا۔ کسان اپنی زمین اپنے سامنت سے لیتا تھا۔ سامنت اسے مہا سامنت یا ٹھاکر سے اور آخری پائیدان پر راجا یا رانا ہوا کرتا تھا، جو زمین کے بدلے اپنے سامنتوں سے سپاہی حاصل کرتا تھا۔ موریہ عہد کے سیاسی مرکزی نظام کی جگہ اب پورے ملک میں ایک غیر مرکزی نظام قائم ہو گیا تھا جہاں سرکاری افسر شاہی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ہر سامنت اپنے علاقے میں امن وامان اور عدالت کا ذمے دار تھا اور راجا کی حیثیت بڑے سامنت سے زیادہ کچھ بھی نہیں تھی۔

2.6 فرہنگ (Glossary)

سوریہ ونشی	سورج کی نسل کے
اگنی کل	آبو پہاڑ پر اگنی کنڈ سے پیدا ہونے والے
کاویہ	کاویہ ایک انتہائی مصنوعی ادبی طرز ہے جو عیسوی دور کی ابتدائی صدیوں سے ہمارے ملک کے درباری رزمیہ میں اپنایا جاتا ہے۔ اس میں تقریر کا ایک مخصوص انداز ہے اور تحریر کے شاعرانہ اجزاء پائے جاتے ہیں
ورن سنکر	برہمنی متون کے مطابق ذاتوں کا اپنے اصولوں پر عمل نہ کرنا ورن سنکر کہلاتا ہے۔
یگیہ	برہمنی نظام میں آگ کے سامنے دیوتاؤں کے لیے منتر پڑھنا، اس کے مخصوص قاعدے قانون ہیں۔
دھرم	سماجی فرائض یا برہمنی متون کے مطابق نظام زندگی، اسے انصاف کے معنیٰ میں بھی لیا جاتا ہے۔
پرشستی	مدحیہ قصیدہ، جو عموماً پتھروں یا تانبے کی کتبوں پر کندہ ہوتا ہے۔
آبو پہاڑ	گجرات میں واقع ایک پہاڑ جو مقدس سمجھا جاتا ہے۔
دیتیہ	شیطان، برہمنی متون کے مطابق جو لوگ برہمنی نظام کے دشمن ہیں۔
اگنی کنڈ	آتش دان
کثیر ازدواجی	کئی شادیاں کرنا

2.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. 'اگنی کل نظریے' کے مطابق، وششٹھ منی نے کس پہاڑ پر یگیہ کر کے چار راجپوت خاندانوں کو پیدا کیا؟

(الف) ہمالیہ (ب) وندھیاچل (ج) آبو پہاڑ (د) ستلج

2. 'اینلز آف راجستھان (Annals of Rajasthan) ' کے مصنف کون ہیں، جن کا خیال تھا کہ راجپوت غیر ملکی نسل سے تھے؟ (الف) ونسنٹ اسمتھ (ب) ولیم کروک (ج) ڈی۔ آر۔ بھنڈارکر (د) کرنل ٹوڈ

3. بجولیا کے فرمان میں چوہانوں کو کس گوتر یہ برہمن کی اولاد بتایا گیا ہے؟

(الف) وتس گوتریہ (ب) وشومتر (ج) اگستیہ (د) بھاردواج

4. عرفان حبیب کے مطابق، لفظ "راجپتر" (راجپوت) ابتدائی طور پر کن کے لیے استعمال ہوتا تھا؟

(الف) پیدل سپاہی (ب) ماہر گھوڑ سوار (ج) رتھوں کے استعمال کرنے والے (د) کسان

5. راجپوت سیاسی تنظیم میں صوبے (بھکتی) کے حاکم کو کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) وشیہ پتی (ب) راشٹر پتی (ج) اپرک (د) سامنت

2.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. راجپوتوں کے غیر ملکی اصل پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. قدیم چھتری طبقے سے متعلق ہونے پر ایک نوٹ لکھیے۔
3. اگنی کل نظریے پر ایک نوٹ لکھیے۔

2.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. راجپوتوں کے قبائلی پس منظر پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. راجپوتوں کے غیر ملکی ہونے یا نہ ہونے سے متعلق بحث کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

اکائی 3۔ پال خاندان

(The Palas)

اکائی کے اجزا

3.0 تمہید
3.1 مقاصد
3.2 پال خاندان کا تعارف
3.3 سیاسی پس منظر
3.4 پال خاندان کے حکمراں
3.4.1 گوپال اول
3.4.2 دھرم پال
3.4.3 دیوپال
3.4.4 درمیانی دور
3.4.5 مہی پال اول
3.4.6 نے پال
3.4.7 وگرہ پال سوم
3.4.8 مہی پال دوم
3.4.9 رام پال
3.5 پال خاندان کا زوال
3.6 اکتسابی نتائج
3.7 فرہنگ
3.8 نمونہ امتحانی سوالات

3.0 تمہید (Introduction)

ساتویں سے بارہویں صدی عیسوی تک کا عرصہ جسے مورخین ابتدائی عہد وسطیٰ کے نام سے جانتے ہیں، ایک ایسا دور ہے جس میں شمالی ہندوستان میں کسی طاقت کو مرکزی اہمیت حاصل نہیں ہو سکی۔ اس کے برعکس متعدد چھوٹی بڑی ریاستیں اپنی سرحدوں کو بڑھانے اور نئے علاقوں پر قبضہ کرنے کی کوشش میں آپس میں جدوجہد کرتی نظر آتی ہیں۔ ایسی ہی ایک طاقت نے اس وقت کے بنگال اور بہار کے علاقوں میں عروج حاصل کیا، جسے ہم پال خاندان کے نام سے جانتے ہیں۔ 637 عیسوی میں بنگال کے عظیم حکمران ششانک کی موت کے بعد بنگال میں لگ بھگ ایک صدی تک سیاسی اتھل پتھل کا دور رہا۔ قنوج کے یشوورمن، کشمیر کے للتادتیہ اور چین کے ایک فوجی دستے نے اس علاقے پر حملہ کیا۔ بنگال کا زیادہ تر حصہ، آسام کے حکمران بھاسکر ورمن کے ہاتھوں میں چلا گیا، جبکہ بہار اور اڑیسہ کے علاقے ہرش کی مملکت میں شامل ہوگئے۔ دھرم پال کے 'خلم پور' تانبے کے کتبے میں ذکر ملتا ہے کہ پال خاندان کے بانی گوپال کو عوام نے حکمراں کے طور پر منتخب کیا اور اس علاقے میں پھیلی بدامنی یا متسیہ نیائے (جنگل راج) کی حالت کا خاتمہ ہوا۔ یہ اکائی اسی پال خاندان کی تاریخ سے متعلق ہے جس نے عہد وسطی کے ابتدائی دور میں مشرقی ہندوستان کے بڑے حصے پر حکومت کی۔ اس اکائی میں ہم اس خاندان کی ابتدا، اس کے حکمرانوں اور اس کی سیاسی تاریخ کا تفصیلی مطالعہ کریں گے۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- پال خاندان کی ابتدا سے پہلے بنگال کے سیاسی حالات سے واقف ہو سکیں گے۔
- پال خاندان کی ابتدا اور اس کے عروج کے بارے میں جان سکیں گے۔
- سہ طرفہ جدوجہد میں پال خاندان کے کردار کا تجزیہ کر سکیں گے۔
- پال خاندان کے زوال پر روشنی ڈال سکیں گے۔

3.2 پال خاندان کا تعارف (Introduction to Pala Dynasty)

ابتدائی عہد وسطیٰ میں پال ریاست ایک عظیم طاقت تھی جس کی ابتدا بنگال کے خطے میں ہوئی۔ اس خاندان کا نام اس کے بانی گوپال کے نام پر رکھا گیا، اور اس کے تمام حکمراں اپنے نام کے آگے 'پال' لفظ کا استعمال تھے۔ پال سنسکرت زبان کا ایک لفظ ہے جس کا مطلب 'محافظ' ہوتا ہے۔ پال حکمراں بدھ مذہب کے پیروکار تھے اور بدھ مذہب میں تانترک اور مہایان مکتب فکر کی پیروی کرتے تھے۔ دھرم پال کے 'کھالم پور' تانبے کے کتبے کے مطابق پال خاندان کے بانی گوپال کا انتخاب عوام نے 750 عیسوی میں کیا تھا۔ اسی سال سے پال ریاست کی ابتدا تسلیم کی گئی ہے۔ ان کی حکومت بنیادی طور بہار اور بنگال کے علاقوں پر تھی۔ وکرم پور، پاٹلی پتر، گوڑ، منگیر، سوم پور، رام وتی، تامر لپتی اور

جگدالااس ریاست کے اہم شہروں میں شمار ہوتے تھے اور اس خاندان نے آٹھویں سے بارہویں صدی عیسوی یعنی تقریباً چار صدیوں تک بنگال پر حکومت کی۔

3.3 سیاسی پس منظر (Political Backdrop)

گپت سلطنت کے زوال کے بعد، آخر گپت(Later Guptas) نامی ایک خاندان مگدھ کا حکمراں بنا۔ اس خاندان کا عظیم گپت خاندان سے کوئی تعلق نہیں تھا سوائے اس بات کے کہ اس خاندان کے حکمرانوں کے نام کے آگے بھی گپت لگا ہوا تھا۔ البتہ یہ خاندان عظیم گپتوں کی جانشینی کا دعوے دار اور گپت سلطنت کے مرکزی علاقوں جیسے مگدھ، گوڑ وغیرہ پر حکمراں ضرور تھا۔ اس خاندان کے بانی کرشن گپت کی بیٹی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے قنوج کے موکھری خاندان کے شہزادے آدتیہ ورمن سے شادی کی تھی۔ آخر گپت حکمراں آدتیہ سین کے افسد کتبے(Aphsad Inscription) کے مطابق، کرشن گپت کے پوتے جیویت گپت نے ہمالیہ کے علاقے اور جنوب مغربی بنگال میں فوجی مہمات روانہ کیں۔ جیویت گپت کے بیٹے کمار گپت کے دور حکومت میں اس خاندان کی قنوج کے موکھریوں کے ساتھ دشمنی کی شروعات ہو گئی۔ کمار گپت نے 554 عیسوی میں موکھری حکمراں ایشان ورمن کو شکست دی اور اس کے کچھ وقت بعد ہی پریاگ میں کمار گپت کی موت بھی ہو گئی۔ اس کا بیٹا دامودر گپت موکھریوں کے خلاف جنگ میں ناکام رہا۔ دامودر گپت کے بیٹے مہاسین گپت نے تھانیشور کے پشیہ بھوتی خاندان کے ساتھ اتحاد قائم کیا اور اپنی بہن کی شادی اس خاندان کے حکمراں آدتیہ وردھن سے کروائی۔ اس اتحاد سے طاقت پاکر مہاسین گپت نے نے کامروپ پر حملہ کیا اور وہاں کے حکمراں سستھت ورمن(Susthita Varman) کو شکست دی۔ یہ فتح بہت کم کے لیے تھی کیونکہ اس کے فوراً بعد اسے تین حملہ آوروں کا سامنا کرنا پڑا:

- موکھری بادشاہ شرواورمن(Sharva Varman)
- کامروپ کے بادشاہ سپرتش تھیتاورمن(Supratishthita Varman)
- تبتی بادشاہ سونگٹسین(Songtsen)

اس کے جاگیردار ششانک نے بھی اسے چھوڑ دیا اور بعد میں اپنی خود مختار گوڑ ریاست قائم کی۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ موکھری بادشاہ شرواورمن نے تقریباً 575 عیسوی میں مگدھ پر حملہ کیا اور دامودر گپت کو شکست دی جس نے اسے پورے اتر پردیش کا حکمراں بنا دیا۔ ان حالات میں مہاسین گپت کو مگدھ سے بھاگ کر مالوہ میں پناہ لینے پر مجبور ہونا پڑا۔ کچھ عرصے بعد پشیہ بھوتی خاندان کے عظیم حکمراں ہرش (606-647ء) نے مگدھ میں آخر گپتوں کی حکومت کو بحال کیا جس کے بعد انہوں نے ہرش کے ماتحت(vassal) کے طور پر مگدھ اور آس پاس کے کافی علاقے پر حکومت کی۔ ہرش کی موت کے بعد، آخر گپت حکمراں آدتیہ سین، شمال میں گنگا سے لے کر جنوب میں چھوٹا ناگپور تک اور مشرق میں دریائے گومتی سے مغرب میں خلیج بنگال تک پھیلی ہوئی ایک بڑی ریاست کا خود مختار حکمراں بن گیا۔ تاہم اسے چالوکیوں کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔ اس خاندان کے آخری اہم حکمران، جیویت گپت دوم کو تقریباً 750 عیسوی میں قنوج کے ورمن خاندان

کے حکمراں یشوورمن نے شکست دی تھی۔تاریخ کے حوالوں میں جیویت گپت کے جانشینوں کی کوئی جانکاری نہیں ملتی ہے۔البتہ جیویت گپت کے بعد بنگال میں پھیلنے والی بدامنی اور انتشار کا ذکر ملتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک سپاہی کے بیٹے گوپال کو بنگال کا حکمراں بنایا گیا۔

3.4 پال خاندان کے حکمراں (Rulers of the Pala Dynasty)

3.4.1 گوپال اول (Gopala-I)

ہرش کے ہمعصر ششانک کے بعد پال خاندان کی حکومت میں بنگال کی طاقت مستحکم ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا شمار شمالی ہندوستان کی اہم طاقتوں میں ہونے لگا۔ پال حکومت کو بدھ مذہب کے پیروکار گوپال (770-750ء) نے قائم کیا۔بنگال کے جاگیرداروں نے بنگال کی سیاسی کشمکش اور بدامنی کو ختم کرنے کے لیے گوپال کی قابلیت سے متاثر ہو کر اسے اپنا حکمران منتخب کیا۔ان جاگیرداروں نے ریاست کے مفاد کے لیے اپنے ذاتی فائدوں کو ایک طرف رکھ دیا۔ تبتی مورخ تاراناتھ کے مطابق گوپال، پنڈرووردھن (بوگرہ ضلع) کے ایک چھتری خاندان میں پیدا ہوا تھا۔اس نے جنگ کے ذریعے ریاست کو وسیع کیا اور ریاست کو مضبوط تنظیم بھی فراہم کی۔

3.4.2 دھرم پال (Dharmapala)

گوپال کا بیٹا دھرم پال (810-770ء) ایک نہایت لائق حکمراں ثابت ہوا اور اس نے بنگال کو شمالی ہندوستان کی اہم ریاستوں میں جگہ دلائی۔دھرم پال کے دور میں شمالی ہندوستان میں قنوج پر قبضے کے لیے سہ طرفہ جدوجہد کی زمین تیار ہو رہی تھی۔مالوہ اور راجستھان کے گرجر پرتیہار اور جنوبی ہندوستان کے راشٹر کوٹ گنگا کی وادی کے زرخیز علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے بھرپور فوجی اور ذہنی طور پر تیار ہو رہے تھے۔اپنی توسیعی مہم میں دھرم پال کا سامنا پرتی ہار حکمراں وتس راج سے ہوا جس کے ہاتھوں اسے شکست کھانی پڑی۔وتس راج کی یہ فتح چند روزہ ثابت ہوئی، کیونکہ اسے راشٹر کوٹ حکمران دھرو کے ہاتھوں ہار کا منہ دیکھنا پڑا۔راشٹر کوٹوں کے ہاتھوں پرتی ہاروں کی شکست سے دھرم پال نے فائدہ اٹھایا اور قنوج پر قبضہ کر لیا۔اس نے قنوج کے حکمران اندرایودھ کو ہٹا کر اس کی جگہ ایک کٹھ پتلی حکمراں چکرایودھ کو اپنی ماتحتی میں قنوج کا حکمراں بنایا اور اس طرح اپنے اقتدار اعلیٰ کا اعلان کیا۔دھرم پال کے ذریعے منعقد کردہ اس دربار میں کئی ماتحت جاگیردار حکمراں شامل ہوئے۔دھرم پال کی حکمرانی کا بنیادی علاقہ بنگال اور بہار تھا۔یہ علاقے براہ راست اس کی عملداری میں تھا۔اس کے باہر قنوج کی ریاست اس کے زیر اثر تھی۔علاوہ ازیں مغرب اور جنوب میں پنجاب کے حکمراں، مغربی پہاڑی علاقوں کے سردار، راجپوتانہ، مالوہ اور برار نے اس کے اقتدار کو تسلیم کیا۔اس کے علاوہ بھی شمالی ہند کی متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں نے اس کی برتری کا اعتراف کیا۔ سوینبھو پران (Suvayanbhu Purana) میں دی گئی تفصیلات کے مطابق نیپال بھی اس کی ایک ماتحت ریاست تھی۔یہ کوئی اتفاق نہیں ہے کہ گیارہویں صدی کے ایک گجراتی شاعر 'سوڈڈھل' نے دھرم پال کو 'اتراپتھ سوامن' کہا ہے۔اگر تبت کے ماخذ کو تسلیم کریں تو وکرم شلا کے بدھ مہاوہار (انتی چک، بھاگل پور ضلع، بہار) کی تعمیر دھرم پال نے ہی کروائی تھی۔اس کے علاوہ وارنیدر کا سومپوری مہاوہار بھی اسی نے بنوایا تھا، جس کے قدیم باقیات راج شاہی ضلع کے پہاڑپور میں پائے گئے ہیں۔اودنت پوری مہاوہار (بہار) کی تعمیر بھی تبتی متون میں دھرم پال سے

منسوب کی جاتی ہے، حالانکہ دوسرے آخذ کے مطابق اس کی تعمیر گوپال یا دیوپال نے کی تھی۔

تصویر 3.1۔ وکرم شلا کے بدھ مہاوہار کے باقیات، انتی چک، بھاگل پور ضلع، بہار
Courtesy: Prataparya, https://en.wikipedia.org/wiki/Vikramashila#/media/File:Vikramshila_2012-08-10-17.14.08.jpg

اتناسب کچھ ہونے کے بعد بھی دھرم پال کی یہ فتح دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ کچھ ہی عرصے بعد وتس راج کے بیٹے ناگ بھٹ دوم نے قنوج کی گدی سے چکرایدھ کو بے دخل کرکے دھرم پال کے اقتدار کو چنوتی دی۔ قنوج پر قبضہ کرنے کے بعد پرتی ہار ناگ بھٹ پال ریاست کی راجدھانی منگیر کی طرف بڑھا۔ ادھر دھرم پال بھی اپنا لشکر لے کر مقابلے کے لیے تیار تھا۔ منگیر کے قریب دونوں میں ایک گھماسان جنگ ہوئی جس میں دھرم پال نے شکست کھائی۔ مجبور ہو کر دھرم پال کو راشٹر کوٹ حکمراں گووند سوم سے مدد طلب کرنا پڑی۔ گووند سوم نے شمالی ہند کے لیے کوچ کیا اور حملہ کرکے ناگ بھٹ دوم کو شکست دی۔ راشٹر کوٹ دستاویزوں سے پتہ چلتا ہے کہ چکرایدھ اور دھرم پال دونوں نے راشٹر کوٹوں کی بالادستی تسلیم کی۔ گووند سوم کے واپس دکن کوچ کرنے کے بعد پرتی ہار طاقت کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دھرم پال نے نہ صرف کھوئے ہوئے سابقہ علاقے واپس حاصل کر لیے، بلکہ قنوج کے ساتھ ساتھ شمالی ہند کے کافی بڑے حصے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پرمیشور، پرم بھٹارک، مہاراج دھراج دھرم پال کا عظیم لقب اختیار کیا۔

3.4.3 دیوپال (Devapala)

دھرم پال کا بیٹا دیوپال (850-810ء) اپنے باپ کی طرح ہی قابل اور اولوالعزم حکمراں تھا۔ پال ریاست کو منظم رکھنے کے ساتھ ہی اس نے لگاتار جنگوں کے ذریعے اپنی ریاست کو وسعت دی۔ اس نے پرتی ہار حکمراں ناگ بھٹ دوم کو قنوج سے کھدیڑنے میں کامیابی

حاصل کی، جس نے دھرم پال کی موت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے دوبارہ قنوج پر قبضہ کر لیا تھا۔اس کے بعد دیو پال نے شمالی ہند میں مزید فتوحات حاصل کیں۔اسے پال حکمرانوں میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔اس کے جانشینوں کے کتبوں کے مطابق اس نے شمال میں ہمالیہ اور جنوب میں وندھیاچل تک حملہ کیا تھا۔حالانکہ جدید مورخین کے مطابق یہ بیان پالوں کی جنگی طاقت کو دیکھتے ہوئے کافی مبالغہ آمیز معلوم ہوتا ہے۔اپنی مہمات کے دوران اس نے پراگ جیوتش (موجودہ آسام) پر حملہ کیا اور یہاں بغیر کسی خاص مزاحمت کے فتح حاصل کی۔اس کے بعد اتکل (موجودہ اڑیسہ) کی طرف کوچ کیا۔وہاں کا حکمران دیو پال کے آنے کی خبر سن کر اپنی راجدھانی چھوڑ کر فرار ہو گیا۔اس طرح وقتی طور پر

تصویر 3.2۔پال ریاست اپنے انتہائی عروج پر تقریباً نویں صدی
https://en.wikipedia.org/wiki/Pala_Empire#/media/File:Map_of_the_Pala_Empire.png

آسام اور اڑیسہ، پال ریاست کے ماتحت ہو گئے۔ایسا پتہ چلتا ہے کہ پرتی ہار ناگ بھٹ کو ہرانے کے بعد دیو پال نے ہنوں کے خلاف پنجاب اور کمبوج میں بھی فوجی مہم چلائی تھی۔دھرم پال اور دیو پال کی تبت سے بھی جنگوں کا ذکر کتبوں میں ملتا ہے، لیکن یہ صرف چھوٹی موٹی جھڑپوں سے بڑھ کر کچھ نہیں رہی ہونگی، کیونکہ کوئی بھی ہمالیہ کی عظیم چوٹیوں کو پار کر کے دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ناگ بھٹ دوم کے علاوہ اس نے مہر بھوج کو بھی شکست دی تھی۔عرب سیاح سلیمان نے دیو پال کو پرتی ہار اور راشٹر کوٹ دونوں سے زیادہ طاقتور مانا ہے۔یہ بات واضح ہے کہ بنگال کو شمالی ہند کی ہمعصر سیاست میں ایک معزز مقام دلانے کا سہرا دھرم پال اور دیو پال کے سر ہے۔

3.4.4 درمیانی دور (The Interregnum)

دیوپال کی موت کے بعد اس کے سب سے بڑے بیٹے راجیہ پال نے گدی سنبھالی۔ راجیہ پال کے مرنے کے بعد اس کا سب سے بڑا لڑکا مہندر پال حکمراں بنا۔ ایسا تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان دونوں نے ورثے میں ملی عظیم ریاست کو قائم رکھا اور غالباً مہندر پال نے تو اتکلوں اور ہنوں کے حملوں کا کامیابی کے ساتھ سامنا بھی کیا۔ مہندر پال کا چھوٹا بھائی شور پال اول اس کا جانشیں بنا۔ شور پال کے مرزا پور تانبے کے کتبے سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی حکومت بنگال، بہار اور اتر پردیش تک پھیلی ہوئی تھی۔ شور پال اول کے بیٹے گوپال دوم کے دور حکومت سے متعلق کوئی جانکاری نہیں ملتی اور اس کی موت کے ساتھ ہی دھرم پال کے خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

اس کے بعد پال ریاست کا تخت، دھرم پال کے چھوٹے بھائی واک پال کے خاندان کو ہاتھ آیا، جس کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ ریاست کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ واک پال کے پوتے وگرہ پال اول نے ایک مختصر حکومت کے بعد گدی چھوڑ دی اور جوگی بن گیا۔ وگرہ پال کا بیٹا نارائن پال اول ایک کمزور حکمراں ثابت ہوا۔ اس کے 54 سالہ طویل دور حکومت کے دوران پرتی ہار حکمراں مہر بھوج نے پالوں کو شکست دی۔ پال ریاست کی کمزوری ظاہر ہوتے ہی پراگ جیوتش (موجودہ آسام) اور اتکل (موجودہ اڑیسہ) کی ریاستیں خود مختار ہو گئیں۔ نارائن پال کے بیٹے راجیہ پال کی حکومت تقریباً 32 سال تک رہی۔ اس نے عوام کی سہولت کے لیے متعدد عمارتیں اور مندر تعمیر کرائے۔ پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ اس کے بیٹے گوپال سوم کے دور حکومت میں بنگال ہاتھ سے نکل گیا اور اس کی حکومت صرف بہار تک محدود ہو گئی، لیکن بھاگلپور کتبے میں اس کے ذریعے شمالی بنگال کے 'پنڈر بردھن' بھکتی (ضلع) میں ایک برہمن کو دو گاؤں عطیہ کرنے کا ذکر ملتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنگال اب بھی اس کی حکومت میں شامل تھا۔

اگلے حکمراں وگرہ پال دوم کو چندیلوں اور کلچوریوں کے حملوں سے نمٹنا پڑا۔ اس کی حکومت کے دوران پالوں کی قائم کردہ عظیم ریاست گوڑ (Gauda)، رادھا (Radha)، انگ (Anga) اور ونگ (Vanga) جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بنٹ گئی۔ مشرقی بنگال کے سامنت اور ہری کیلا خاندان کے حکمراں کانتی دیو نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور مہاراج دھراج کا لقب اختیار کیا۔ مغربی اور شمالی بنگال میں واقع گوڑ پر کمبوج۔ پال خاندان نے قبضہ کر لیا۔ اس خاندان کا بانی غالباً گوئی پال افسر تھا جس نے بشمول راجدھانی پال ریاست کے ایک بڑے حصے پر اپنی حکومت قائم کی۔ آخر کار مہی پال اول نے ان کی حکومت کا خاتمہ کیا اور پھر سے پال ریاست کو متحد کیا۔

3.4.5 مہی پال اول (Mahipala I)

وگرہ پال دوم کے جانشیں مہی پال اول (978-1038ء) کی حکومت اس کی تخت نشینی کے وقت مگدھ یعنی جنوبی بہار تک محدود تھی۔ ابتدائی تین سالوں میں مہی پال اول مشرقی بنگال کی بازیابی میں مصروف رہا۔ لگاتار جنگوں کے ذریعے اس نے مشرقی، مغربی اور شمالی بنگال کو پال ریاست میں شامل کرنے میں کامیابی حاصل کی اور ریاست کی سرحدوں کو بنارس تک پھیلا دیا۔

پال ریاست کو کچھ ہی عرصے بعد چول ریاست کے راجندر چول اول اور کلچوری حکمراں کرن یاگانگیہ دیو کے حملوں کا سامنا کرنا پڑا، جس سے ریاست کی طاقت کو سخت دھکا لگا۔اس کے باوجود بنگال اور بہار کے زیادہ تر حصے اب بھی مہی پال کے زیر اقتدار تھے۔ مہی پال نے محمود غزنوی کے حملوں سے بھی فائدہ اٹھایا جس نے پرتی ہار ریاست کی قوت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔اس دوران اس نے شمالی اور جنوبی بہار کو اپنی ریاست میں شامل کر لیا۔اس نے بنارس اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو بھی فتح کر لیا تھا۔اس کے بھائی استھر پال اور وسنت پال نے بنارس میں کئی مقدس مقامات کی تعمیر اور مرمت کرائی۔ بعد میں کلچوری حکمراں کرن نے ونگ کے حکمراں کو شکست دے کر اس سے بنارس چھین لیا۔انگ کا یہ حکمراں مہی پال کا بیٹا نے پال ہو سکتا ہے۔

3.4.6 نے پال (Nayapala)

مہی پال اول کے بیٹے 'نے پال'(1038-1055ء) کو کلچوری حکمراں کرن سے کافی دنوں تک جنگ میں مشغول رہنا پڑا۔اس طرح کے بہت سے شواہد دستیاب ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ راہب 'اتیس دیپنکر سری گیان' (Atisa Dipankara Srijnana) کے بیچ میں پڑنے سے دونوں ریاستوں کے درمیان امن قائم ہوا، جو کہ نے پال کی موت تک قائم رہا۔

3.4.7 وگرہ پال سوم (Vigrahapala III)

نے پال کے بیٹے وگرہ پال سوم کو بھی کلچوری حکمراں کرن کا سامنا کرنا پڑا۔اس جنگ میں اسے کامیابی حاصل ہوئی اور کلچوری حکمراں کو اپنی بیٹی یوانسری(Yuvanshri) کی شادی وگرہ پال سوم سے کرنی پڑی۔ وگرہ پال سوم کو بعد میں چالکیہ حکمراں وکرمادتیہ چہارم اور اڑیسہ کے سوم ومسی راجا مہاشیو گپت ییتی کے حملوں کی بھی روک تھام کرنی پڑی۔اس کے بعد حملوں کے ایک لمبے سلسلے نے پال ریاست کی چولیں ہلا دیں، جس کی وجہ سے ریاست کے بہت سے حصے الگ ہو گئے۔اسی دوران آسام کے ورمن حکمراں نے مشرقی بنگال کو اپنے قبضے میں لے لیا۔اس سب کے باوجود وہ کسی طرح گوڑ اور مگدھ کو اپنے قبضے میں رکھنے میں کامیاب رہے۔

3.4.8 مہی پال دوم (Mahipala II)

وگرہ پال سوم کے بعد اس کی بیوی اور کلچوری شہزادی یوناشری کے بطن سے پیدا ہونے والے مہی پال دوم نے اقتدار سنبھالا۔ سندھیاکر نندی نے رام چرترم (Ramcharitam) میں اس کی حکومت کا بڑی خوبصورتی سے تذکرہ کیا ہے۔اس نے ایک قلیل مدت کے لیے ریاست کو طاقتور بنانے کی کوشش کی، لیکن اسے پہلے اپنے سگے بھائیوں سے نمٹنا پڑا۔ مہی پال دوم نے اپنے بھائی سور پال دوم اور رام پال کو اپنے خلاف سازش رچنے کے شک میں قید کر دیا۔اس کے چند دنوں کے بعد ہی کائیبرت(Kaibarta)(مچھوارہ برادری) کے ماتحت سرداروں نے بغاوت کر دی۔انہیں میں سے دویہ (Divya) یا دووکا(Divvoka) نام کے ایک سردار نے مہی پال دوم کو قتل کر دیا اور وارینددر کے علاقے پر قبضہ کر لیا، جس پر اس کے بعد اس کے جانشین رودک اور بھیم نے حکومت کی۔ پال حکمراں مہی پال دوم کے قتل سے

مچی افراتفری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مہی پال دوم کے دونوں بھائی یعنی سور پال دوم اور رام پال جو قید میں تھے، بچ کر نکلنے اور مگدھ پہنچنے میں کامیاب رہے۔ مگدھ میں سور پال دوم ایک مختصر حکومت کے بعد مر گیا۔

3.4.9 رام پال (Ramapala 1077-1120 AD)

سور پال دوم کے بعد اس کا بھائی رام پال اس کی جگہ تخت نشیں ہوا۔ اس نے دویہ کے بھتیجے بھیم پر ایک زبردست فوجی حملے کی تیاری کی۔ اس جنگ میں راشٹر کوٹ خاندان سے اس کے ماموں مٹھانا(Mathana) اور سوراج دیو(Sivarajadeva) کے علاوہ جنوبی بہار اور جنوب مغربی بنگال کے کئی ماتحت سامنتوں نے رام پال کی مدد کی۔ نتیجتاً بھیم کو شکست ہوئی اور اسے اس کے خاندان کے لوگوں کے ساتھ بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔

پال ریاست کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش میں رام پال نے واریندری (شمالی بنگال) پر فتح حاصل کی اور ایک نئی راجدھانی رام وتی (Ramvati) سے حکومت کی، جو کہ آخری وقت تک پال ریاست کی راجدھانی بنی رہی۔ اس نے 'کامروپ' اور 'راڑھ' کو اپنے قبضے میں لے کر آسام کے ورمن حکمراں کو اپنی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ گنگا حکمرانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو روکنے اور انہیں اڑیسہ پر قبضے سے روکنے میں بھی کامیاب رہا، حالانکہ اس کی موت کے بعد یہ علاقہ گنگوں کے قبضے میں چلا گیا۔ گہڑوال خاندان کے حکمراں گووند چندر سے اپنی چچیری بہن کمار دیوی (Kumaradevi) کی شادی کر کے اسے اپنا اتحادی بنا لیا اور پال ریاست پر حملہ کرنے سے روک لیا۔ اس نئے اتحاد سے اسے بہت فائدہ حاصل ہوا، جس سے وہ مغربی بنگال کے سردار ننیو دیو(Nanyadeva) کو روکنے میں کامیاب رہا، لیکن اس کوشش میں اسے متھلا (بہار کا انتہائی شمالی علاقہ) سے ہاتھ دھونا پڑا۔ رام پال نے چول حکمراں کلوتنگ کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم کیے اور اس طرح اپنے دشمنوں گنگوں اور چالکیوں کے حملوں کی روک تھام میں کامیاب رہا۔ اس طرح رام پال نے اپنی مہارت اور تدبر سے ریاست کے زوال کی رفتار کم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ اس نے کھیتی باڑی کو بڑھانے، تجارت کو پھیلانے اور عوام کو خوش رکھنے کے لیے بھی اپنی بھرپور جدوجہد کی۔

3.5 پال خاندان کا زوال (Decline of Pala Dynasty)

رام پال اس ریاست کا آخری طاقتور حکمراں تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کے بیٹے کمار پال نے پال ریاست کو متحد رکھنے کی کوشش کی۔ اس کے دور حکومت میں کامروپ میں ایک بغاوت پھوٹ پڑی جسے کمار پال کے وزیر ویدیہ دیو(Vaideyadeva) نے کچل دیا۔ اس کے علاوہ بھی ویدیہ دیو نے جنوبی بنگال میں ایک سمندری جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ کمار پال کی موت تک ویدیہ دیو اس کے وزیر کے طور پر اس کا وفادار رہا، لیکن کمار پال کی آنکھ بند ہوتے ہی ویدیہ دیو نے عملی طور پر ایک علاحدہ حکومت قائم کی۔ حالانکہ وہ اب بھی رسمی طور پر پال اقتدار کو تسلیم کرتا رہا۔ راجب پور(Rajibpur) تانبے کے کتبے کے مطابق کمار پال کا بیٹا گوپال دوم کم عمری میں گدی پر بیٹھا اور اس کے چچا مدن پال نے نائب کے طور پر حکومت کا کاروبار سنبھالا۔

گوپال دوم یا تو کم عمری میں مر گیا یا پھر اس کے چچا مدن پال نے اسے مار ڈالا، یہ ابھی تک واضح نہیں ہے۔ بہر حال مدن پال نے پال ریاست کی باگ ڈور سنبھالی۔ اس کی دور حکومت میں مشرقی بنگال میں ورمنوں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اڑیسہ میں مشرقی گنگوں سے بھی جنگ شروع ہو گئی۔ مدن پال منگیر کو توگہڑ والوں سے واپس لینے میں کامیاب رہا، لیکن اسے سین حکمراں وجے سین کے ہاتھوں بد ترین شکست ہوئی اور جنوبی اور مشرقی بنگال اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ سین خاندان جو بنگال کے رادھا علاقے میں پال ریاست کا ایک معمولی باج گزار تھا اب پوری پال ریاست کا حکمراں بن بیٹھا۔ گووند پال نام کے ایک حکمراں نے تقریباً 1162ء میں گیا پر حکومت کی لیکن پال حکمرانوں سے اس کے تعلقات کے کوئی پختہ ثبوت نہیں ملتے اور اس طرح عظیم پال خاندان کا خاتمہ ہوا۔

3.6 انتظام حکومت (Administration)

پال ریاست، شاہی طرز حکومت (monarchy) پر مبنی تھی جس میں حکمراں کو تمام اعلیٰ اختیارات حاصل تھے۔ پال حکمرانوں نے پر میشور، پرم بھٹارک، مہاراج ادھیراج جیسے بڑے بڑے القابات اختیار کیے تھے۔ پال ریاست میں حکمراں کے بعد سب سے اہم عہدہ منتری یا وزیر کا ہوتا تھا۔ گرگ خاندان نے تقریباً سو سال تک پالوں کے وزیر اعظم کے طور پر خدمات انجام دیں۔

- گرگ (Garga)
- درواپانی یا دربھپانی (Darvapani or Darbhapani)
- سومیشور (Someshwar)
- کیدار مسرا (Kedarmisra)
- بھٹہ گوروميسرا (Bhatta Guravmisra)

انتظامی اکائیاں اس طرح تھی۔

- بھکتی (Bhuktis) یعنی صوبہ
- وشیہ (Vishayas) یعنی ڈویژن
- منڈل (Mandalas) یعنی ضلع
- کھنڈل (Khandala)، بھاگ (Bhaga)، اورتی (Avritti)، چترک (Chaturaka) اور پٹک (Pattaka) وغیرہ ذیلی انتظامی اکائیاں تھیں۔

پالوں کے کتبوں میں متعدد عہدے داروں کا ذکر ہے

- راجا
- راجنیک

- رانک (ممکنہ طور پر ماتحت سربراہان)
- سامنت اور مہاسامنت (ماتحت باجگذار حکمراں)
- مہاسندھی وگراہیک (وزیر خارجہ)
- دوت (سفیر)
- راجستھانیہ (نائب)
- انگرکشک (محافظ)
- ششٹھاو گراہک (محصول جمع کرنے والا)
- دشاپرادھیک (جرمانوں کا جمع کرنے والا)
- تارک (دریا کا محصول کلکٹر)
- مہاپسپتال (محاسب اعلیٰ)
- جیشٹھ کایستھ (دستاویزوں کا ذمے دار افسر)
- کسیترپ (زمین کے استعمال کے محکمے کا سربراہ)
- پرماتر (زمین کی پیمائش کا سربراہ)
- مہادنڈنایک یادھرم ادھیکار (منصف اعلیٰ)
- مہاپرتیہار (محافظ اعلیٰ)

3.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

پال ایک سنسکرت اصطلاح ہے جس کے معنی محافظ کے ہیں۔اس ریاست کے ابتدائی حکمراں اپنے نام کے بعد یہ لاحقہ جوڑتے تھے۔انہوں نے ہندوستان کے ابتدائی عہد وسطیٰ میں مشرقی اتر پردیش، بہار، بنگال،اڑیسہ اور کامروپ کے کچھ علاقوں پر حکومت کی۔اس کے بانی گوپال کا تعلق ایک بہت ہی سادہ گھرانے سے تھا۔ایک مدت تک انتشار اور بدنظمی کے بعد بنگال کے سامنتوں نے گوپال کو حکمراں بنایااور پال ریاست وجود میں آئی۔پال ریاست کو اپنے شروعاتی دور سے ہی ہمسایہ ریاستوں سے الجھناپڑا۔اس کے علاوہ وہ قنوج پر اقتدار قائم کرنے کے مقصد سے ہونے والی سہ طرفہ جدوجہد کا بھی حصہ رہی۔دھرم پال اور دیوپال نے مسلسل جنگوں اور فتوحات سے اسے شمالی ہند کی ایک عظیم طاقت بنایا۔کچھ مدت کی بدنظمی اور انتشار کے بعد مہی پال اول نے ریاست کو از سر نو منظم اور مضبوط بنایا۔مہی پال کے بعد کئی دیگر حکمرانوں نے اسے قائم رکھنے کی کوشش کی، لیکن گہڑوالوں، گنگوں، چالوکیوں اور کلچوریوں کے حملوں سب سے اہم ماتحت سرداروں کی بغاوت نے اس سلطنت کمزور کر دیا۔رام پال اس خاندان کا آخری طاقتور حکمراں تھا جس نے ریاست کو پہلے جیسی شان وشوکت واپس لوٹانے کی کوشش کی، مگر اس کی آنکھ بند ہوتے ہی ریاست سکڑنے لگی۔کامروپ خود مختار ہو گیا۔اڑیسہ گنگوں کے قبضے میں چلا گیا۔سب سے آخر میں بنگال پر سین

حکمرانوں کا قبضہ ہو گیا جنہوں نے سین خاندان کی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ آخر کار کمزور جانشین، خاندانی جھگڑے، باج گذار سرداروں کی سرکشی اور بیرونی حملے اس ریاست کے خاتمے کی وجہ بنے۔ پال ریاست بدھ مذہب کی سرپرست تھی اور اس نے بدھ علم وادب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ نالندہ، وکرم شلا جیسے عظیم مہاوہار ان کے دور اقتدار میں تعمیر ہوئے۔ جنوب مشرقی ایشیا میں بدھ مذہب کے مہایان مکتب فکر کے فروغ کا سہرا اسی خاندان کے حکمرانوں کے سر جاتا ہے۔

پال حکمراں	عہد حکومت	
گوپال اول	770–750	
دھرم پال	810–770	
دیوپال	c. 850–810	
مہندر پال	860–845	ان کے ہونے کا پتہ صرف ایک تانبے کے کتبے کے فرمان سے چلتا ہے۔
شور پال اول یا وگرہ راج اول	858–850	
گوپال دوم	نامعلوم	اس حکمراں سے متعلق صرف ایک کتبہ 1995 میں دستیاب ہوا
وگرہ پال اول	853–850	
نارائن پال	908–854	
راجیہ پال	940–908	
گوپال سوم	957–940	
وگرہ پال دوم	c. 986–960	
مہی پال اول	c. 1036–988	
نے پال	1053–1038	
وگرہ پال سوم	1072–1054	
مہی پال دوم	1075–1072	
شور پال دوم	1077–1075	
رام پال	1130–1077	
کمار پال	1140–1130	
گوپال چہارم	1144–1140	
مدن پال	1162–1144	

3.8 فرہنگ (Glossary)

واریندر	شمالی بنگال	**پال**	محافظ
پراگ جیوتش	آسام	**متھلا**	بہار کا انتہائی شمالی علاقہ
اتکل	اڑیسہ	**گوڑ**	مغربی اور جنوبی بنگال
متسیہ راج	جنگل راج	**باج گذار**	ماتحت، خراج دینے و
مگدھ	جنوبی بہار	**ابتدائی عہد وسطیٰ**	ہندوستانی تاریخ میں ساتویں سے بارہویں صدی عیسوی تک کا عرصہ

3.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. دھرم پال کے 'کھالم پور' کتبے کے مطابق، بنگال میں 'متسیہ نیائے' (جنگل راج) کا خاتمہ کر کے کسے عوام نے اپنا حکمراں چنا؟

(الف) ششانک (ب) گوپال (ج) دھرم پال (د) دیو پال

2. کس پال حکمراں نے وکرم شلا مہاوہار (یونیورسٹی) کی تعمیر کروائی تھی؟

(الف) دیو پال (ب) مہی پال اول (ج) رام پال (د) دھرم پال

3. کس عرب سیاح نے دیو پال کو پرتی ہار اور راشٹر کوٹ دونوں سے زیادہ طاقتور مانا ہے؟

(الف) المسعودی (ب) سلیمان (ج) ابن بطوطہ (د) البیرونی

4. کس پال حکمراں نے کمبوج-پال خاندان کا خاتمہ کیا اور پال ریاست کو از سر نو متحد کیا؟

(الف) وگرہ پال دوم (ب) مہی پال اول (ج) نے پال (د) رام پال

5. کائیبرت (مچھوارہ برادری) کے سردار 'دویہ' نے کس پال حکمراں کو قتل کر کے واریندر پر قبضہ کیا تھا؟

(الف) مہی پال دوم (ب) وگرہ پال سوم (ج) سور پال دوم (د) رام پال

3.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. پال ریاست کی ابتدا کا سیاسی پس منظر بیان کیجیے۔
2. پال ریاست کی توسیع میں دھرم پال کے کردار کی وضاحت کیجیے۔
3. پال حکمراں دیو پال کے عہد حکومت پر ایک نوٹ لکھیے۔

3.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. پال خاندان کا تعارف پیش کرتے ہوئے اس کے قیام سے پہلے کے سیاسی حالات اور گوپال کی تخت نشینی پر ایک تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
2. پال سلطنت کی توسیع میں دھرم پال، دیو پال، مہی پال اول اور رام پال کی کوششوں کا تفصیلی تذکرہ کیجیے۔

اکائی 4۔ پرتی ہار خاندان

(The Pratiharas)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 مآخذ

4.3 پس منظر

4.4 ابتدا

4.5 پرتی ہار حکمراں

4.5.1 ناگ بھٹ اول

4.5.2 وتس راج

4.5.3 ناگ بھٹ دوم

4.5.4 رام بھدر دیو

4.5.5 مہر مہر بھوج اول

4.5.6 مہیندر پال اول

4.5.7 مہی پال اول

4.5.8 مہی پال دوم

4.6 پالوں اور راشٹر کوٹوں کے ساتھ مہمات

4.7 زوال

4.8 اکتسابی نتائج

4.9 فرہنگ

4.10 نمونہ امتحانی سوالات

4.0 تمہید (Introduction)

یہ اکائی مغربی ہندوستان میں ابھرنے والی پرتی ہار نامی ایک عظیم سیاسی طاقت کے عروج، قیام اور زوال سے متعلق ہے جس کو گرجر پرتی ہار کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔اس ریاست نے مغربی اور شمالی ہندوستان کے بڑے حصے پر اپنی حکمرانی قائم کی تھی اور اسے علاقائی توسیع اور بالادستی کے لیے دیگر ہمعصر سیاسی طاقتوں جیسے پالوں، کلچوریوں، چندیلوں اور راشٹر کوٹوں سے متعدد جنگیں بھی لڑنی پڑیں۔ حکومت کے رقبے میں اتار چڑھاؤ کے باوجود پرتی ہار ریاست آٹھویں سے گیارہویں صدی تک شمالی ہندوستان کی سیاست میں حاوی رہی۔ ہرش وردھن کے زمانے سے قنوج شمالی ہندوستان پر اقتدار کی علامت سمجھا جانے لگا اور اس پر قبضے کا مطلب پورے شمالی ہندوستان کی حکمرانی تھا۔ قنوج کی اسی اہمیت کے سبب اس دور کے ہندوستان کی تین اہم سیاسی طاقتوں یعنی پال، پرتی ہار اور راشٹر کوٹ نے اس پر قبضے کے لیے جدوجہد کی۔ پرتی ہار بھی اس سہ طرفہ جدوجہد (Triangle Struggle) میں شامل تھے۔ قنوج پر قبضے کی کوششوں کے انہیں جنوبی ہندوستان کی عظیم طاقت راشٹر کوٹوں کے ہاتھوں کئی مرتبہ ہار کا بھی سامنا کرناپڑا، لیکن وہ اپنی سیاسی اہمیت برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

عظیم حکمراں ہرش وردھن کی موت کے بعد شمالی ہندوستان میں کوئی بڑی مرکزی طاقت نہیں بچی جو متعدد چھوٹی بڑی ریاستوں کو ابھرنے اور اقتدار حاصل کرنے سے روک سکتی تھی۔ متعدد حکمراں خاندان پورے شمالی ہندوستان پر اپنی حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے اور اس کے لیے سیاسی تگ و دو میں مصروف تھے۔ان میں ڈنڈ کاوسیہ (جدید ددوان، راجستھان) کے پرتی ہار کافی حد تک کامیاب ہوئے۔ پرتی ہاروں نے مغربی اور شمالی ہندوستان پر اپنا اثر و رسوخ قائم کیا۔ ناگ بھٹ اول (730تا760) کا زمانہ اس سلطنت کا عہد زریں کہا جاسکتا ہے جس نے عرب حملہ آوروں کو کامیابی کے ساتھ شکست دی۔ بھوج یا مہر بھوج (836تا885) کو اس سلطنت کا سب سے مشہور بادشاہ مانا جاتا ہے۔ پرتی ہار ریاست کو خصوصی طور پر ان کے فنون لطیفہ، مجسمہ سازی اور مندروں کی تعمیر کے لیے جانا جاتا ہے۔انہوں نے اپنی ہمعصر دشمن طاقتوں میں شمالی ہندوستان میں پال (8تا12ویں صدی) اور جنوبی ہند میں راشٹر کوٹ (8تا10ویں صدی) سے مسلسل جنگ کی۔

4.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- پرتی ہار خاندان کی ابتدا سے واقف ہو سکیں گے۔
- عظیم پرتی ہار حکمراں ناگ بھٹ اول اور مہر بھوج کے کارناموں کو جان سکیں گے۔
- اس دور کی ہندوستانی سیاست میں پرتی ہاروں کا مقام متعین کر سکیں گے۔
- پرتی ہاروں کے دور میں مذہبی، ادبی اور ثقافتی ترقی کے بارے میں جان سکیں گے۔

4.2 مآخذ (Sources)

عمارتوں، کتبوں اور ادبی دستاویز کی ایک اچھی خاصی تعداد ہمیں پرتی ہار سلطنت کے تاریخی واقعات کی جانکاری حاصل کرنے میں مدد کرتی ہے۔ پرتی ہار حکمراں مہر بھوج اول کے دستاویزوں میں حکمراں کے شجرہ نسب کے ساتھ ساتھ ہر حکمراں کی شخصیت کا مختصر ساذ کر موجود ہے۔ ان دستاویزوں کے علاوہ پرتی ہار دور حکومت میں تعمیر کردہ اس دور کی یادگار عمارتیں اور مجسمے بھی پرتی ہاروں کی تاریخ سے متعلق قیمتی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ بنیادی ادبی وسائل میں ہندوستان میں آنے والے عرب تاجروں کی روداد سفر بھی شامل ہیں۔ مثلاً سلیمان جو تقریباً نویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا تھا اور مسعودی جس نے 16-915 میں گجرات کا سفر کیا تھا، اپنے سفر کی تفصیلی یادداشت چھوڑی ہے۔ ان سبھی نے پرتی ہار سلطنت کو الجزر (جو سنسکرت کے گرجر سے نکلا ہے) کا نام دیا اور پرتی ہار حکمرانوں کی عظمت و شہرت اور وسیع سلطنت کی تصدیق بھی کی۔

4.3 پس منظر (Background)

647ء میں ،ہرش وردھن کے موت کے ساتھ کنیا کبج (موجودہ دور میں قنوج شہر، اتر پردیش) کی پشیہ بھوتی سلطنت کا خاتمہ افراتفری اور سیاسی انتشار کا باعث بنا۔ بہت سی حکومتیں آباد اور برباد ہوئیں اور ان میں سے جنہیں اقتدار حاصل ہوا وہ پرتی ہار، شمالی ہند کے پال اور جنوبی ہند کے راشٹر کوٹ تھے۔ نویں صدی میں قنوج پر ایودھ خاندان کی حکومت تھی۔

4.4 ابتدا (Origin)

پرتی ہار جنہیں گرجر پرتی ہار بھی کہا جاتا ہے، کی ابتدا آج بھی بحث کا موضوع ہے۔ گرجروں کو پہلے غیر ملکی خیال کیا جاتا تھا لیکن آہستہ آہستہ وہ ہندوستانی سماج کا حصہ بن گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مقامی لوگ یا قبائلی گروہ جو گرجر (گرجر دیش یا گجراتر) سے تعلق رکھتے تھے، گرجر پرتی ہار کہلانے لگے۔ پرتی ہار جو کہ سنسکرت کے لفظ پرتی ہار یعنی "دربان" سے نکلا ہے، گرجروں کے قبائلی گروہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مہاکاویہ رامائن میں شہزادہ لکشمن نے ایک بار اپنے بڑے بھائی رام کے دربان کا کردار نبھایا تھا اور چونکہ لکشمن کو اپنا جدامجد مانتے ہیں اس لیے انہوں نے پرتی ہار کا لقب اختیار کیا۔ پرتی ہاروں نے مقامی سرداروں اور افسروں کی حیثیت سے اپنے کریر کی شروعات کی اور آخر کار موجودہ راجستھان کے جنوبی اور مشرقی حصے میں اپنی ریاست قائم کرنے میں کامیاب رہے۔

4.5 پرتی ہار حکمراں (Pratihara Rulers)

4.5.1 ناگ بھٹ اول (Nagabhatta I)

ناگ بھٹ اول (760-730ء) پرتی ہار ریاست کا سب سے قابل ذکر اور تاریخی بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے عربوں کو شکست دینے

کی وجہ سے دوسرے ہم عصر حکمرانوں میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ گوالیار کے بادشاہ مہر بھوج اول کے دستاویزوں میں شجرہ نسب کے ساتھ ساتھ ہر حکمراں کی شخصیت کا مختصر ساذکر موجود ہے۔ غالبا. اس نے عربوں کو شکست دے کر انہیں زمین چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ دکن میں راشٹر اکتاس اپنی سرحدوں کی توسیع میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے کہ دونوں بڑھتی ہوئی طاقتوں کے مابین اسی طرح کی دلچسپی سے گریز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ لیکن یہ ان کے درمیان جنگ اور تنازع کا باعث بنا۔ انہوں نے راشٹر کوٹوں کے ساتھ جنگ کی اور ناکام ہوئے۔ راشٹر کوٹ دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ راجا دنتی درگ نے مالو، لتا، گنگ اور سندھ کے علاوہ جنوبی ہند کے کئی بادشاہوں پر اپنا تسلط قائم کیا۔ سنجن کے چاندی کے دستاویز ہمیں گرجریش (گرجر دیش کا حاکم) کی شکست کی جانکاری دیتے ہیں۔ لیکن یہ شکست کچھ بہت طویل نہیں تھی۔ اس نے 756 میں دوبارہ اپنا اقتدار واپس لے لیا اور اپنی سرحد بھر گو کچ تک بڑھا دی۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا کا کشتا اس کا جانشین بنا اور اس کے بعد اس کے بھائی دیوراج کو حکومت ملی۔ ان دونوں نے 760 سے 775 تک حکومت کی۔ ان کے دور میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا یا کم از کم لیکن انہوں نے اپنے اجداد کی سلطنت کو صحیح وسالم رکھا۔

4.5.2 وتس راج (Vatsaraja)

دیوراج کے بعد وتس راج تخت حکومت پر بیٹھا اور بھنڈی یا بھٹی قبیلے کو شکست دی۔ وتس راج (775 تا 800) نے وسط راجستھان کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کیا اور گجراتر میں اپنا دبدبا قائم کیا۔ اس نے گوڑ کے ساتھ بھی جنگ کی اور گوڑ کے پال حکمراں کو اسی کی سرزمین پر شکست دی۔ پرتھوی راج وجے میں دی گئی تفصیلات کے مطابق چوہان سردار درلبھ راج نے نولوک کی مدد کی تھی اور پھر قنوج کی سیاست میں شامل ہو کر پالوں کو ہرایا اور ایودھ خاندان سے اپنے وفادار امیدوار کے لیے تخت حاصل کیا۔ حالانکہ اس کی توسیعی کوششوں پر راشٹر کوٹ حکمراں دھرو نے پانی پھیر دیا۔ اس نے وتس راج کو شکست دے کر اس سے مفتوحہ مقامات چھین لیے اور پرتیہاروں کو راجستھان کے صحرا کی طرف ڈھکیل دیا۔

4.5.3 ناگ بھٹ دوم (Nagabhatta II)

وتس راج کے بعد اس کا بیٹا ناگ بھٹ دوم (800 تا 833ء) اس کا جانشین بنا۔ اس کی تاج پوشی اس وقت ہوئی جب جاگیر داری نظام اپنے عروج پر تھا۔ راشٹر کوٹوں سے جنگ سے متعلق دستاویزات کی اچھی خاصی تعداد غالباً اپنی طاقت کو واپس لینے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ ناگ بھٹ نے چکرایودھ کو ہرا کر قنوج پر قبضہ کر لیا۔ اس کی یہ فتح پال حکمراں کے لیے اعلان جنگ تھی اور جس کے نتیجے میں مدگری (منگیر بہار) کے مقام پر دونوں میں جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں ناگ بھٹ نے اپنے جاگیردار کاکا کی مدد سے پالوں کو ہرا دیا۔

اس نے سلطنت کے وقار کو واپس لانے کی کوشش کی اور اس طرح اس نے اپنے ایک طاقتور دشمن پال حکمراں کو مات دے کر اپنی حدود میں توسیع کرنے کی پوزیشن حاصل کر لی۔ اس کے مقابلے میں آندھرا، سندھ، ویر بھدر اور کلنگ کے بادشاہوں نے اپنے طور پر جدوجہد کی۔ ناگ بھٹ نے سب کو شکست دے کر انہیں اپنی ماتحتی قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ مزید یہ کہ اس نے آندھرا، مالوا، کیرت، ترشک، وتس

اور متسیوں کے پہاڑی قلعوں کو جبراً بند کر دیا۔ ناگ بھٹ نے پال حکومت کے شمال مغربی حصے کے علاوہ مشرق سے مغرب اور ہمالیہ سے نرمدا تک تمام علاقوں میں اپنی خود مختاری قائم کی۔ شاکمبھری کے چوہانوں نے بھی اس کی خود مختاری کا اعلان کیا۔ گجرات پر قبضہ کرنے کے دوران اس کا مقابلہ راشٹر کوٹوں سے ہوا اور بالآخر راشٹر کوٹ حکمراں گووندا نے ناگ بھٹ کو شکست دی جس کی وجہ سے گجرات اور مالوا اس کے ہاتھ سے چلا گیا۔ کچھ عرصے کے بعد جب اس نے دوبارہ اپنی طاقت بحال کی تو اس نے اپنے کچھ کھوئے ہوئے علاقوں کو واپس حاصل کر لیا۔ اس نے ایودھ حکومت کے خاتمے کے بعد کنیا کبج (موجودہ قنوج) کو بھی اپنے تصرف میں لے لیا اور اسے اپنی راجدھانی بنایا۔

پربھاک چرت کے دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ بھردپاڑا کے مہینے میں ناگ بھٹ دوم گنگا کے مقدس پانی میں ڈوب گیا اور اس کی موت ہو گئی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ فن کے ممتاز پرتی ہار نمونے صرف اسی کے دور میں ہی ملتے ہیں۔ ٹیسر اور نسریسر (اب مورینا) کے بڑے مندروں کے گروپ اور اس کے آس پاس کے اور دوسرے مندروں کو بنانے میں کئی عظیم سرپرستی کو اس کے حوالے کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ مہوا اور تیراہی کے شیو مندر میں پرتی ہار کے دور کی فن کاری کو دیکھا جا سکتا ہے۔ قدیم عمارتوں کے سائنسی تجزیے ارتقا کے مختلف میدانوں میں ہمعصر فن کاری کی کافی حد تک تصدیق کرتے ہیں۔

4.5.4 رام بھدر (Rambhadra)

رام بھدر 833 میں اپنے والد کا جانشین بنا اور اس نے تین سال کی مختصر مدت کے لیے حکومت کی۔ اس کے دور میں گجراترا اور کلنجر کے منڈلوں کا پرتی ہاروں کے ہاتھ سے نکل جانا اس کی سیاسی نااہلی کا ثبوت دیتے ہیں۔ پربھاک کریتا کے دستاویز نے اسے ایک علاحدہ شخص کے طور پر پیش کیا اور یہی وجہ ہے کہ اس کے بیٹے مہر مہر بھوج اول نے اپنے والد کو قتل کر کے اس کی جگہ لے لی۔

4.5.5 مہر مہر بھوج اول (Mihirbhoja I)

مہر مہر بھوج اول (836تا889ء) کے دور حکمرانی کو پرتی ہار ریاست کی تاریخ میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ سب سے پہلے اس نے گجراترا اور کالنجر منڈل کے دو علاقوں میں اپنے اقتدار کو واپس حاصل کیا۔ چندیلوں نے اپنے 954 عیسوی تک کے شاہی دستاویز میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ مہر بھوج اول نے اپنی سرحدوں کو شمال میں ہمالیہ کی ترائی تک وسیع کر دیا یہاں تک کہ گہیلوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ کہا جاتا ہے کہ گورکھپور کے ایک کلچوری بادشاہ گنم بدھ دیو نے مہر بھوج اول سے زمین کا معاوضہ لیا اور گوڑوں کے سکون اور وقار کو غارت کر دیا۔ غالب امکان ہے کہ اس نے پالوں کے بادشاہ دیو پال کے خلاف مہم میں بھوج کی مدد کی۔ لیکن بھوج نے پال ریاست پر کہاں تک قبضہ کر لیا یہ کہنا مشکل ہے۔

طاقتور دشمنوں کے خلاف بھوج کی فتح نے یقیناً اس کی توجہ دوسری طرف بھی مرکوز کی۔ اس نے جنوب مغربی علاقوں میں مہمات کی اور جنوبی راجستھان سے اونتی اور نرمدا کے آس پاس کے علاقوں پر راج کیا جس میں اس کے جاگیر دار چوہانوں نے اس کی مدد کی۔ پرتھوی

راج وجے کے مطابق چوہان شہزادی کلاوتی نے دوسرے خواہش مند لوگوں کے مقابلے قنوج کے بادشاہ کو اپنے شوہر کی شکل میں منتخب کیا۔دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ازدواجی معاہدہ اس کی خوش حالی کا باعث بنا۔اسکندپران کی یہ بات ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے کہ ''گرنار کے جنگلوں میں گھومنے والی ایک دو چہرہ والی دوشیزہ کے بارے میں ون پال (جنگلات کے محافظ) کے بیان کو سن کر بھوج نے اپنی فوج کے ساتھ جنگل کا رخ کیا اور اور دوشیزہ کو حاصل کر لیا اور اس طرح اس نے کنیا کبج حاصل کیا۔''ہمیں اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ دستاویز سے ملنے والے اشاروں کے مطابق اس کی فوج سوراشٹر میں چلی گئی۔ظاہر ہے یہ علاقہ اس کی حدود میں شامل ہو گیا تھا۔بال ورمن اور اونی ورمن کے دستاویز بالواسطہ طور پر اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

جنوب مغرب میں بھوج کی فتوحات نے اسے پرتی ہار سلطنت کے پرانے دشمن راشٹر کوٹوں کے نزدیک کر دیا اور اس طرح وہ راشٹر کوٹوں سے جنگ میں الجھ گیا۔جنگ جاری رہی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جلد ہی اس نے اپنے دشمن راشٹر کوٹ حکمراں کرشن دوم کو پسپا کر کے اس کے ملک کی طرف کھدیڑ دیا۔لیکن کتبات سے ہمیں اس کے خلاف حوالہ ملتا ہے جس میں اسے راشٹر کوٹوں کے ہاتھ سے مات کھاتے دکھایا گیا ہے۔بہر حال پرتی ہاروں نے اپنی گجرات اور مالوہ پر مضبوط فوجی قوت قائم رکھی۔

مہر بھوج اول نے دریائے ستلج کے کنارے مشرقی پنجاب کے کچھ حصوں کو اپنی حدود میں شامل کر لیا۔پیہوہ دستاویز میں بھوج کے دور حکومت کے دوران گھوڑوں کے لین دین کے ثبوت کے موجود ہیں۔راج ترنگنی نے بھی پنجاب کے باشندے ٹھکیا کے کچھ علاقوں میں حملہ ہونے اور قبضہ کیے جانے کی بات کہی ہے۔مہر بھوج اول کا دور حکومت اتنا خوشحال، منظم، پر امن اور شاندار رہا کہ عرب سیاح سلیمان (851) نے اس کی فوجی قوت کے ساتھ ہی اس کے گھڑ سواروں کی بھی تعریف کی۔اس نے اس بات کا تذکرہ کیا کہ اس کی سلطنت کی اس زمین پر مرکزی حیثیت ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کا کوئی دوسرا صوبہ لٹیروں سے محفوظ نہیں ہے۔اس کے دور میں بہت سے مندر وجود میں آئے۔Pratihara Art in India کے مصنف رحمٰن علی کے مطابق گوالیار قلعے کے اندر موجود چتر جھج مندر اس بات کا ثبوت ہے۔اس دور کی یادگار عمارتوں میں تیلی کا مندر، سورج مندر (گوالیار)،اندور کے گرگاج مہادیو مندر، برواساگر کا جری مٹھ مندر وغیرہ قدیم پرتی ہار طرز تعمیر کی قابل ذکر مثالیں ہیں۔زندگی کے آخری ایام میں بھوج نے اپنے بیٹے کی خاطر راج پاٹ ترک کر دیا اور سن 889ء میں سنہرے تالاب کے مقدس پانی میں ڈوب کر خودکشی کر لی۔اس طرح مہر بھوج اول کی شاندار حکومت کا خاتمہ ہوا۔

4.5.6 مہیندر اول (Mahendra I)

مہر بھوج اول کے بعد اس کا بیٹا مہیندر (890تا907ء) اس کا جانشین بنا۔اس کے زمانے میں پرتی ہار سلطنت کو شمال مغرب میں مشکلیں آئیں لیکن جنوب اور مغرب میں اپنی حکومت کو برقرار رکھتے ہوئے مشرق کی جانب توسیع بھی ہوئی۔جب مہی پال اول مشرقی مہم میں مصروف تھا تو کشمیر کے حکمراں شنکر ورمن نے پرتی ہار علاقے پر حملہ کیا لیکن پر تھوڑاک (ضلع کرنال) پر ان کی حکومت پھر بھی برقرار رہی۔اس زمانے کے ایٹ کھوری (ہزاری باغ، بہار) اور راج شاہی (بنگلہ دیش) کے دستاویز میں مشرق میں اس کی شاندار فتح اور اقتدار کا تذکرہ

ہے۔گنیر یادستاویز(ضلع گیا) میں لکھا ہے کہ اس نے ان تمام علاقوں پر اپنی حکومت کے نویں سال فتح حاصل کی۔اسی طرح مغربی خطے میں اس کی حکومت سے متعلق کچھ غیر مستحکم ثبوت ملتے ہیں۔مہیندر پال کی ریاست شمال میں ہمالیہ کی ترائی تک اور شمال مغرب میں پنجاب کے ضلع کرنال تک پھیلی ہوئی تھی۔ جنوب میں بندیل کھنڈ اور مشرق میں مگدھ اور راج شاہی ضلع کا شمالی حصہ بھی اس کی حکمرانی میں شامل تھا۔مغرب میں سوراشٹر اور جنوب مغرب میں دریائے نرمدا کے نچلے حصے تک اس کی عملداری تھی۔

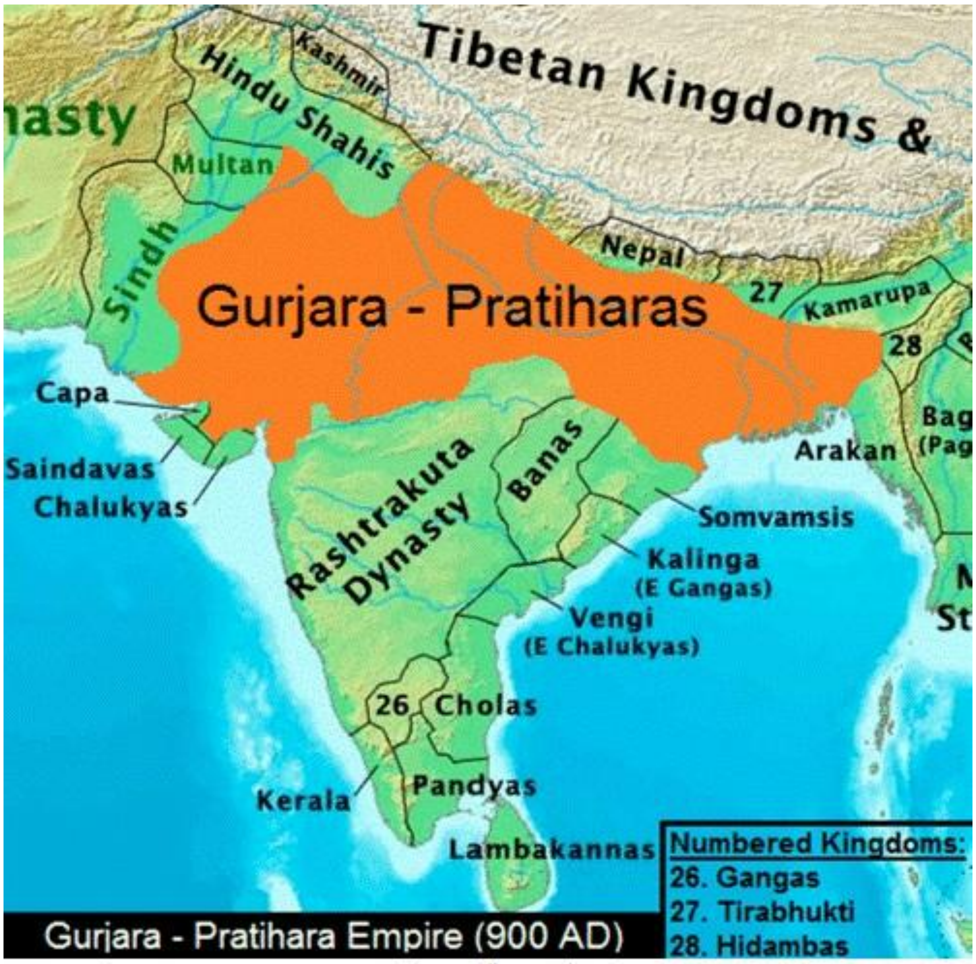

گرجر پرتی ہار سلطنت

Courtesy Thomas Lessman (CC BY-SA)

4.5.7 بھوج دوم (Bhoja II)

بھوج دوم (908تا 913ء)اپنے والد کے مہندر پال اول کے بعد ان کا جانشین بنا۔غالباً اس کے لیے اسے اپنے دو سوتیلے بھائیوں سے اندرونی جھگڑوں کا سامنا بھی کرنا پڑا جس کے دوران پال بادشاہ نرائن پال نے اپنی ریاست کے مغربی حصے کو واپس چھین لیا۔اس طرح پرتی ہار سلطنت موجودہ اترپردیش کی مشرقی حدود تک محصور ہو کر رہ گئی۔اسی طرح کلچوری بادشاہ کوکال نے گرجر بادشاہ کا خزانہ لوٹ لیا۔یوو راج دیو کے بلہاری دستاویز میں لکھا ہے کہ بھوج دیو بہت عیش پسند تھا اور جس شخص کی وجہ سے لفظ بھوج کو شہرت ملی وہ یقیناً بھوج اول

ہی تھا۔ جس بھوج کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے وہ یقیناً بھوج دوم ہی ہے جسے کوکالا نے شکست دی۔اس طرح بھوج دوم کی ذلت آمیز حکومت کا 914میں خاتمہ ہو گیا۔

4.5.8 مہی پال اول(914تا943عیسوی)

اگرچہ وہ اپنے والد کا جانشین بنا لیکن سیاسی لحاظ سے یہ فیصلہ بہت اچھا نہیں تھا۔راشٹر کوٹ حکمراں اندر سوم نے کنیا کبج کو اپنے قبضے میں لے لیا۔واپس جاتے ہوئے کالپی میں اس نے دریائے یمنا کو پار کیا۔اس مہم کے دوران اندر دوم کے جاگیر دار نرسمہا اور چوہان نے اس کی مدد کی۔چونکہ اس نے گرجر راجا کے ہاتھوں سے فتح کی دیوی کو چھین لیا تھا اس لیے اس نے کرناٹک شبدانو شاسنا کے ذریعے اس کی توصیف کی۔اس نے گنگا یا پریاگ کے سنگم تک مہی پال اول کا تعاقب کیا۔17-916 میں اندر سوم نے کچھ اور مہمات کیں۔یہ بات واقعی حیرت کرنے کی ہے کہ مسلسل حملوں اور شکست کے بعد بھی مہی پال اول نے ہمت نہیں ہاری اور چندیل راجا ہرش کی مدد سے فوج تیار کی اور اپنا کھویا ہوا تخت واپس لے لیا۔ بال بھارت کے علاوہ چندیل دستاویز اس بات کا ثبوت ہیں کہ ڈرامہ نگار راج شیکھر نے فتح کی تصویر کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کیا ہے۔غالباً مہی پال اول نے کنتلا، مرلا اور کیرلا پر فتح حاصل کی۔اپنی سلطنت کے لیے جانے کے لیے اس نے مشرقی گھاٹ کا رخ اختیار کیا اور کلنگ، میکال کو شکست دی اور اپنے علاقے کو پریاگ تک پھیلا دیا۔اس کے بعد بندیل کھنڈ کی طرف مڑ گیا اور قنوج پہنچا۔یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ کچھ نامعلوم وجوہات کے باعث جنوبی مہمات کے دوران راشٹر کوٹوں کی طرف سے کوئی مزاحمت نہیں پیش آئی۔شمال مغرب کی طرف اس نے کلوتا اور رامتھا کو ہرایا اور اس طرح اس نے شمال مغرب کی کھوئی ہوئی سلطنت کو واپس لے لیا۔

شمال مغرب میں مہی پال کے حصے میں سندھ کا بھی ایک حصہ شامل تھا، کیونکہ مسعودی نے اسے سندھ کا بادشاہ کہا ہے اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ اور کلو ضلع، اور بیاس ندی کا بالائی راستہ پرتی ہاروں کے علاقے میں شامل تھا۔ جنوب میں بندیل کھنڈ کی رکاوٹ تھی جس پر چندیل آہستہ آہستہ قابض ہو رہے تھے۔ان کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا گیا۔ جنوب مغرب میں مہی پال نے مالوا کو دوبارہ فتح کر لیا۔ کالہا کے تانبے کے کتبے کے مطابق دھارا کی فتح میں گور کھپور کے بامن راجا اور کلچوریوں کے ایک جاگیر دار نے اس کا ساتھ دیا۔ مغرب میں سوراشٹر تابعداری پر قائم رہا۔ مہی پال اول کی حکومت کے آخری مرحلے میں اسے راشٹر کوٹ مہمات کا سامنا کرنا پڑا۔ کرشن سوم نے شمال پر حملہ کیا اور چتر کوٹ اور کالنجر کا قلعہ تشویش ناک حالت میں آ گیا۔چندیل بادشاہ یشوورمن نے 954 میں کچھ دنوں کے لیے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

قدرت کا قانون ہے کہ ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہے، مہی پال اول کی موت کے ساتھ ہی پرتی ہاروں کا شاندار دور ختم ہو گیا۔ان کے کمزور جانشین حکومت کو موثر طریقے سے چلانے میں پوری طرح ناکام رہے۔ماتحت حکمرانوں نے اپنی آزادی کو اولیت دی اور پرتی ہاروں سے اپنا تعلق منقطع کر دیا۔دوسری طرف، پرتی ہار ریاست محمود غزنوی کے حملوں سے چور چور ہو گئی، جس کی بہادری نے ایک ہوا کے جھونکے کی طرح مغربی ہندوستان کی عظیم ریاست کو ختم کر دیا۔

4.5.9 مہیندر پال دوم (Mahendrapala II)

آخری پرتی ہار حکمراں مہندر پال دوم (944تا948ء) نے 944 میں تخت حاصل کیا۔ وہ اور اس کے جانشین اپنے دور حکومت میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہیں دے سکے۔ ان حکمرانوں نے چھوٹے راجاؤں کی طرح حکومت کی اور ریاست کے زوال اور انتشار کو روک نہ سکے۔ حالانکہ 943-942 کے کوروکشیتر (گونا) کے ایک دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے پانی کے مسائل کو دور کرنے کے پختہ انتظامات کیے جو ثقافتی سرگرمیوں میں ان کی دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے۔

4.6 پالوں اور راشٹر کوٹوں کے ساتھ مہمات (Wars with Palas and Rashtrakutas)

پرتی ہار سلطنت کی توسیع کے دوران ہمعصر طاقتوں مثلاً پال اور راشٹر کوٹوں کے ساتھ مسلسل جھگڑے ہوتے رہے جسے سہ طرفہ جد وجہد کہا جاتا ہے۔ اس تنازع کی بنیادی وجہ قنوج پر قبضہ تھا کیونکہ ہرش کے زمانے سے، قنوج کو شمالی ہند میں اقتدار اعلیٰ کی علامت سمجھا جاتا تھا اور بالائی گنگا کی وادی اور اس کے قیمتی وسائل پر بھی اسی کا قبضہ ہوتا تھا جس کے قبضے میں قنوج رہتا تھا جن میں کھیتی باڑی اور تجارت اور ذرائع معاشیات شامل تھے۔ قنوج کے ایودھ حکمرانوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا۔ پال حکمراں اکثر ان کی سیاست میں دخل اندازی کرتے تھے اور اپنی مرضی کے کسی شخص کی تخت کے لیے حمایت کرتے اور اسے اپنے جاگیر دار کی طرح رکھتے تھے۔ پالوں کے دشمن پرتی ہاروں نے انہیں قنوج پر قبضہ کرنے سے روکنے کی کوشش کی اور تخت کے لیے اپنا امیدوار کھڑا کیا۔ نتیجتاً دونوں کے درمیان جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا جس کا آغاز وتس راج نے کیا تھا۔

پرتی ہاروں اور راشٹر کوٹوں میں بہت یکسانیت ہے۔ دونوں بالائی گنگا وادی اور مالوا پر قبضہ رکھنے کی کوششوں میں ناکام رہے۔ آٹھویں صدی کی شروعات میں جب راشٹر کوٹ اور پرتی ہار ریاستیں قائم ہوئیں تب سے مالوا اور گجرات پر قبضے کے ساتھ دشمنی شروع ہوئی۔ راشٹر کوٹ حکمران دھرودھارا ورش (780تا793) اور گووندا سوم (793تا814) نے انہیں شکست دی۔ المسعودی نے راشٹر کوٹ-پرتی ہار کی دشمنی کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اس زمانے کا مزاج تھا۔

اگرچہ راشٹر کوٹ شمالی ہند پر کبھی قبضہ نہیں رکھ پائے۔ وہ آئے اور پرتی ہاروں کے لیے مشکلیں کھڑی کیں اور جو چاہا وہ حاصل کیا اور واپس چلے گئے۔ مؤرخ کے ایم منشی نے راشٹر کوٹوں کے آنے کو "جنوب سے آنے والے بھنور" سے تعبیر کیا جو پرتی ہار کو برباد کر کے چلا جاتا ہے۔ اس نے یہ مشاہدہ کیا کہ ناقابل برداشت طاقت کے ساتھ پرتی ہار شاہی تابے بانے کو بحال کرتے تھے لیکن اسی تیزی سے راشٹر کوٹ جنوب میں اپنا ماتحت بنا کر شمال کی جانب بربادی مچانے آجاتے۔ وتس راج پر دھروکی فتح سے پالوں مدد ملی اور وہ کنیا کبج کو اپنے ماتحت کر سکے۔ البتہ، راشٹر کوٹوں کے واپس چلے جانے کے بعد ناگ بھٹ دوم اور بعد میں مہر بھوج نے اپنی سلطنت کو دوبارہ قنوج اور پرتی ہاروں کے پرانے علاقوں میں از سر نو قائم کیا۔ راشٹر کوٹوں نے دسویں صدی کے دوران پرتی ہار حکمرانوں کے ساتھ لڑائی کی اور ان کو کئی بار شکست دی۔

جغرافیائی وسائل نے بھی انہیں دور دراز علاقے کے دشمنوں پر حملہ آور ہونے کا موقع دیا۔گنگاندی سے منسلک علاقوں پر قبضہ، بنگال سے وسطی ہندوستان تک پورے ملک کو ملانے والی شاہراہیں، زراعت اور تجارت کے ذریعے کسی بھی سلطنت کی خوشحالی کے لیے بہت اہم تھیں۔اسی طرح جنوب مغربی ہندوستان کی تجارت پر کنٹرول اور سمندری تجارت نے پرتی ہاروں کو گجرات پر حکومت کرنے میں مدد کی۔ جغرافیائی اعتبار سے شمالی ہند سے بہت دور جنوبی مقامات پر رہنے کی وجہ سے راشٹر کوٹ کبھی بھی شمال میں بہت لمبے عرصے تک نہیں ٹھہر پائے۔ان کی زیادہ تر مہمات اچانک حملے کی شکل میں ہوتی تھیں اور یہ سب حملے مال غنیمت، شاہی شان و شوکت اور ہندوستان کی طاقتور ریاستوں پر اپنا رعب وداب قائم کرنے کے لیے انجام دیے گئے۔

4.7 زوال (Decline)

بھوج کے بعد پرتی ہاروں کی فوجی طاقت میں زوال آ گیا اور ان کے جانشین یکے بعد دیگرے شکست کا منہ دیکھنے لگے۔راشٹر کوٹوں نے دسویں صدی کے اوائل میں شدید ہنگامہ مچایا جب اندر سوم (915تا928) نے مہی پال کو شکست دی اور کنیا کبج کو مکمل طور سے تباہ کر دیا اور اس کے بعد جب کرشن سوم (967-939) نے دوبارہ 963 میں حملہ کیا تھا۔منشی نے لکھا ہے کہ پرتی ہاروں کی راجپوت جاگیر دار ایک علاحدہ خطرہ تھے۔مہر بھوج کی اولادوں کے پاس گجر دیش کا تھوڑا سا حصہ باقی تھا۔ہر جاگیر دار اپنی خود مختاری کی بنیاد پر سب سے بڑی طاقت بننے کا خواہاں تھا۔اس وقت ہندوستان کے تانے بانے میں تقریباً ہر بادشاہ محکوم ہو کر فاتح کا ماتحت ہو جاتا، لیکن مستقل طور پر بلا روک ٹوک آزادی حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہتا اور تھوڑا سا موقع ملنے پر حاصل کر لیتا تھا۔پرتی ہار بھی ان سے الگ نہیں تھے۔مرکزی طاقتوں کے کمزور ہونے، اور دارالحکومت پر حملوں نے جاگیروں کی بنیاد ڈالی، اور صوبائی گورنر اپنی خود مختاری کا اعلان کرنے لگے جس کے نتیجے میں، سلطنتیں منتشر ہو کر کنیا کبج کے اطراف کی مملکت میں تبدیل ہو گئی۔ پرتی ہار سلطنت گیارہویں صدی کے اوائل تک اپنے وجود کو کسی طرح گھسیٹتی رہی جب تک غزنوی ترکوں نے اسے فتح نہیں کیا۔تاہم ان کا قبضہ عارضی تھا اور اس علاقے کو ہندوستانیوں نے اپنے قبضے میں لے لیا جس میں سب سے اہم نام گہڑوال ریاست (1080تا1194عیسوی) کا ہے۔

4.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

ڈنڈ کاوسیہ (جدید ددوان، راجستھان) کے باشندے پرتی ہار گجر اتر میں پہلی بار اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔پرتی ہاروں (8تا11ویں صدی) نے مغربی اور شمالی ہندوستان پر اپنا اثر ورسوخ قائم کیا۔ناگ بھٹ اول (730تا760) کا زمانہ اس سلطنت کا عہد زریں کہا جا سکتا ہے جس نے عرب حملہ آوروں کو کامیابی کے ساتھ روک کر رکھا۔بھوج یا مہر بھوج (836تا885) کو اس سلطنت کا سب سے مشہور بادشاہ مانا جاتا ہے۔پرتی ہار کو خصوصی طور پر ان کے فنون، مجسمہ سازی اور مندروں کی تعمیر کے لیے جانا جاتا ہے۔انہوں نے اپنی ہمعصر دشمن طاقتوں میں شمالی ہندوستان میں پال (8تا12ویں صدی) اور جنوبی ہند میں راشٹر کوٹوں (8تا10ویں صدی) سے مسلسل جنگ کی۔

4.9 فرہنگ (Glossary)

انحطاط	نقصان، زوال	توسیع	بڑھانا، وسعت پیدا کرنا
اقتدار	اختیار، حکومت، مرتبہ	فقدان	کمی، کسی چیز کا نہ ہونا
خود مختاری	قادر، آزاد، بااختیار	باشندے	رہنے والے، ساکن
رسوخ	مضبوط، مستحکم، ثبات	دستاویز	وہ تحریر جس کی تاریخی اہمیت ہو
مجسمہ سازی	بت بنانے کا فن	تاجر	تجارت کرنے والا
تصدیق	صداقت، سچایہ	نمایاں	کھلا ہوا، برملا
تسلط	قبضہ، اقتدار	جانشین	نائب، وارث
ممتاز	منفرد، الگ	معاوضہ	بدلا، تاوان، ہرجہ
وقار	عزت، جاہ وجلال، قدر ومنزلت	غارت	برباد، پسپا، تاراج، تباہ
مہمات	جنگ، لڑائی	منتخب	انتخاب کرنا، چننا
ازدواجی	شادی شدہ	معاہدہ	تحریری عہد نامہ، قانونی دستاویز
استحصال	ناجائز فائدہ اٹھانا	مقبوضہ	قبضہ کیا گیا
محصور	قید، حصار میں رکھنا	مزاحمت	روک ٹوک، ممانعت، تعرض
ماتحت	تابع، محکوم، معاون، نائب	یکے بعد دیگرے	ایک کے بعد ایک
دارالحکومت	پایہ صدر، حکومت کا راجدھانی	منتشر	بکھر جانا، موتیوں کی طرح ٹوٹنا
شجرہ	نقشہ یا تحریر جس میں کسی خاندان کے سب سے بزرگ اور اس کی اولاد کا ترتیب وار نام لکھا ہو		

4.10 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

4.10.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. پرتی ہار اپنا جد امجد رامائن کے کس کردار کو مانتے تھے، جس کی وجہ سے انہوں نے 'پرتی ہار' (دربان) کا لقب اختیار کیا؟

(الف) رام (ب) بھرت (ج) لکشمن (د) ہنومان

2. کس پرتی ہار حکمراں نے عرب حملہ آوروں کو کامیابی کے ساتھ شکست دی تھی؟

(الف) وتس راج (ب) مہر بھوج (ج) ناگ بھٹ دوم (د) ناگ بھٹ اول

3. کس پرتی ہار حکمراں کو اس سلطنت کا سب سے مشہور بادشاہ مانا جاتا ہے، جس کے دور میں عرب سیاح سلیمان آیا تھا؟

(الف) مہر بھوج اول (ب)مہیندر پال اول (ج)مہی پال اول (د)وتس راج

4. عرب سیاح 'المسعودی' نے پرتی ہار سلطنت کو کیا نام دیا تھا؟

(الف) روحم (ب)الجزر (ج)بورا (د) گرجر

5. کس راشٹر کوٹ حکمراں نے 915اور918 کے درمیان قنوج پر حملہ کیااور شہر کو تاراج کر ڈالا؟

(الف) دھرو (ب) گووند سوم (ج)اندر سوم (د) کرشن سوم

4.10.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. پرتی ہار ریاست سے متعلق ذرائع معلومات پر ایک مضمون لکھیے۔
2. ناگ بھٹ اول کے بارے میں ایک مضمون لکھیے۔
3. ناگ بھٹ دوم کے بارے میں ایک مضمون لکھیے۔

4.10.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. پرتی ہار ریاست کی پالوں اور راشٹر کوٹوں سے مہمات سے متعلق ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔
2. مہر بھوج اول کے کارناموں پر ایک تفصیلی مضمون لکھیے۔

اکائی 5۔ راشٹر کوٹ خاندان

(The Rashtrakutas)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید
5.1 مقاصد
5.2 پس منظر
5.3 اصل
5.4 سیاسی تاریخ
5.4.1 بانی
5.4.2 کرشنا اول
5.4.3 گووندا دوم
5.4.3 دھرو ادھارا ورشا
5.4.5 گووندا دوم
5.4.6 اموگھ ورش
5.4.7 کرشنا دوم
5.4.8 اندرا سوم
5.4.9 اموگورشا دوم
5.4.10 گووندا چہارم
5.4.11 کرشنا سوم
5.4.12 کھوٹیگا
5.4.13 کرکا دوم
5.5 اکتسابی نتائج

5.6 فرہنگ

5.7 نمونہ امتحانی سوالات

5.0 تمہید (Introduction)

قدیم ہندوستان کی تاریخ میں متعدد خاندانوں کے گزشتہ احوال موجود ہیں ۔ چھوٹے بڑے خاندانوں نے جدید ہندوستان کے کئی حصوں پر حکومت کی۔ جنوبی ہند میں ستواہنوں، پلووں، چیراؤں، چولوں، پانڈیوں، چالکیوں اور راشٹر کوٹوں نے مختلف حصوں میں الگ الگ حکمرانی کی۔ بیشتر طاقتیں ایک دوسرے کی ہمعصر رہیں اور وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے پر برتری حاصل کر لینا ایک عام بات تھی۔اس لحاظ سے راشٹر کوٹ، چالکیوں کے ماتحت تھے۔ مگر بعد میں چالکیوں کو ہرا کر خود بادشاہ بن گئے۔ بعدازاں دو صدیوں کی مدت میں بادامی کے چالکیوں نے نئی قوت حاصل کر لی اور راشٹر کوٹوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح راشٹر کوٹوں کا مطالعہ ایک طرح سے چالکیوں کی طاقت کے عروج وزوال کی داستان ہے۔ان کا غلبہ آٹھویں سے دسویں صدی عیسوی کے درمیان رہا۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- راشٹر کوٹ خاندان کے پس منظر کو سمجھ سکیں گے۔
- اس خاندان کی اصل کے بارے میں جانیں گے۔
- راشٹر کوٹ حکمرانوں کے حالات سے واقف ہو سکیں گے۔
- اس حکومت کے زوال پر روشنی ڈال سکیں گے۔

5.2 پس منظر (Background)

راشٹر کوٹ دو الفاظ راشٹر اور کوٹ کا مرکب ہے۔ راشٹر کا مطلب ہے ایک علاقہ اور کوٹ کے معنی ہیں رہنما یا سربراہ۔اس اصطلاح کے معنی ایک علاقائی تقسیم یعنی راشٹر کا سربراہ ہے۔ یہ اصطلاح اشوک کے دور سے ملتی ہے۔ قدیم ہندوستان میں اس نام سے متعدد خاندان بطور حکمراں پھلے پھولے۔ ان میں سے بیشتر مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، کرناٹک اور تلنگانہ کے کچھ حصوں کے حکمراں تھے۔ وہ بیتول کے راشٹر کوٹ، من پور کے راشٹر کوٹ اور پٹھاری کے راشٹر کوٹ تھے۔تاہم ہمارے پاس ایسے پختہ ثبوت نہیں ہیں کہ ہم یہ ثابت کر سکیں کہ وہ ایک دوسرے سے متعلق تھے لیکن مانیا کھیت کے شاہی راشٹر کوٹ جن کا ہم تفصیل سے مطالعہ کریں گے اور گجرات پر حکومت کرنے والے لتا کے راشٹر کوٹ ایک دوسرے سے رشتے داری کے ذریعے جڑے ہوئے تھے۔

5.3 اصل (Origin)

راشٹر کوٹوں کے اصلی وطن کے بارے میں بہت سے نظریات ہیں، لیکن زیادہ قابل قبول نظریہ یہ ہے کہ وہ لاتور کے رہنے والے تھے جو مہاراشٹر کے موجودہ ضلع عثمان آباد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ قدیم ہندوستان میں یہ علاقہ کنڑ بولنے والوں کا تھا لہٰذا کنڑ راشٹر کوٹوں کی مادری زبان تھی۔ راشٹر کوٹ خاندان کے لوگ بادامی کے ابتدائی چالکیوں کے علاقائی افسران تھے۔ ان کے خاندان کے بعض افراد جو برار ہجرت کر گئے تھے، 640 عیسوی میں جاگیرداروں کی حیثیت سے نمودار ہوئے۔

5.4 سیاسی تاریخ (Political History)

5.4.1 بانی (Founder)

دنتی درگ راشٹر کوٹ سلطنت کا بانی تھا۔ اس کے عروج کے وقت یہ خاندان گزشتہ چار نسلوں سے مہاراشٹر میں آباد تھا۔ وہ اندرا دوم کا بیٹا تھا جو بادامی کے چالکیوں کے تحت ایک سردار کے طور پر خدمت انجام دیتا تھا۔ اِندرا کے وقت تک چالکیوں کی طاقت کم ہونے لگی تھی اور وہ ایک اور جنوبی طاقت کانچی کے پلووں کے ساتھ مسلسل جنگ کر رہے تھے۔ مزید برآں چالکیوں کے اسی خاندان کی ایک شاخ نے مکمل آزاد ہو کر وینگی سے حکومت کرنا شروع کر دی تھی اور وہ بادامی کے چالکیوں کے مدمقابل بن گئے تھے۔ اِندرا نے' چالکیوں کی ایک شہزادی کو اغوا کر کے اس سے شادی کر لی تھی۔ ایسے حالات میں پرُعزم دنتی درگ کو چالکیوں کی کمزوری نے اپنے ہی مالک سے لڑنے کا حوصلہ بخشا۔ اس نے اپنے مالک چالکیہ بادشاہ وکرمادتیہ دوم پر فتح حاصل کی۔ مجبوراً وکرمادتیہ نے اس کی شجاعت کی تعریف کی اور اسے بہت سے خطابات سے نوازا۔ اپنے ہی مالک کی مخالفت میں دنتی درگ کی بڑھی ہوئی بہادری نے چالکیوں کی مقبولیت میں کمی کر دی۔ پھر بھی دنتی درگ اپنے مالک کے سلسلے میں پوری طرح وفادار رہا لیکن جب مالک کی موت کے بعد کیرتی ورمن دوم چالکیہ تخت پر بیٹھا تو تھوڑی ہی مدّت میں اسے اپنے ایلورا کے جاگیردار دنتی درگ کے ہاتھوں شکست ملی۔ اس فتح سے دنتی درگ سارے مہاراشٹر کا مالک بن گیا۔ تاہم کیرتی ورمن کو بخش دیا گیا۔

دنتی درگ نے کوشل، میرپور کے اُدائن اور رائے پور کے پرتھوی ویاگھرا جیسے اپنے مشرقی ہمسایوں پر حملے کر کے اپنی عملی زندگی کا آغاز کیا۔ اس نے پلو خاندان کے نندی ورمن کے ساتھ معاہدہ کر کے ان مشرقی حکمرانوں پر بھی برتری حاصل کر لی۔ بعدازاں اس نے بھڑوچ کے گرجروں اور گجرات کے چالکیوں کے خلاف کارروائیوں میں دلچسپی لی۔ اس نے ان پر حملے کیے اور کامیابی حاصل کی۔ ان کامیابیوں سے اس کے وسائل میں خاصا اضافہ ہوا اور اس نے وسطی اور شمالی مدھیہ پردیش کے بیشتر اضلاع حاصل کر لیے۔ اس نے سری سیلم (موجودہ کرنول) پر حکومت کرنے والے تیلگو چولؤں کو محکوم بنایا۔ اگلے قدم کے طور پر وہ 750 عیسوی میں کانچی پورم کی جانب بڑھا اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے اس نے پلو حکمراں کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس کی بیٹی کے ساتھ شادی کی۔ آخر میں اس نے اپنے شکست خوردہ دشمن کیرتی ورمن کی جانب رُخ کیا اور اس سے ماتحتی کا اقرار کرانے کے بعد مہاراج ادھیراج، پرمیشور، پدم بھٹارکا وغیرہ جیسے خطابات کے ساتھ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح دنتی درگ راشٹر کوٹ خاندان کا حقیقی بانی تھا لیکن وہ محض 30 سال کی عمر میں 750 عیسوی میں لاولد انتقال کر گیا۔

5.4.2 کرشنااوّل (Krishna I)

چوں کہ دنتی درگ کے کوئی اولاد نہیں تھی لہٰذا اس کے مرنے کے بعد اس کا چچا کرشنا اول تخت نشین ہوا۔ اس وقت وہ 45 سال کا ایک تجربہ کار شخص تھا۔ کرشنا نے جنوبی کونکن کا علاقہ فتح کر لیا اور کیرتی ورمن کی جگہ سلہروں کو جاگیر دار بنا کر چالکیہ طاقت کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔ اس سے مہاراشٹر اور کرناٹک علاقوں میں اس کی پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ سلہرا خاندان اپنے خاتمے تک راشٹر کوٹوں کا وفادار رہا۔ امن واماں کی ایک مختصر مدت کے بعد بلند ہمت کرشنا اپنی حکومت کو پھیلانے کے لیے متعدد جنگوں میں مصروف رہا۔ اس نے گنگا وتی (پرانا میسور) کے سَنگا حکمراں سری پرشا پر حملہ کیا۔ گنگوں نے اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لیے بڑی دلیری سے جنگ کی اور بہت قربانیاں دیں لیکن کرشنا کامیاب ہوا اور 768 عیسوی ان کی راجدھانی مانیہ پور (بنگلور میں موجودہ منّے) پر قبضہ کر لیا۔ اس دور کی تانبے کی ایک پلیٹ پر کندہ عطیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کرشنا نے مانیہ پور کی دولت سے بہت سے خیراتی کام انجام دیے۔ بعد ازاں اس نے وینگی کے چالکیوں کی جانب توجہ مبذول کی۔ نتیجتاً موجودہ تلنگانہ کا ایک بڑا حصہ راشٹر کوٹوں کے اقتدار میں آ گیا۔ کرشنا نے اپنے سب سے بڑے بیٹے گووندا دوم کو راشٹر کوٹ تخت کے لیے اپنا ولی عہد منتخب کیا۔ 772 تا 775 عیسوی کے درمیان اس کی موت واقع ہو گئی۔ کرشنا بلاشبہ ایک اہل حکمراں اور ایک ماہر جنرل تھا۔ اپنی حکومت کے 18 برسوں میں اس نے اپنی سلطنت کو کونکن، کرناٹک اور حیدر آباد کے ایک بڑے حصے کو فتح کر کے تین گنا بڑھا لیا تھا۔ کرشنا نے دکن میں اپنے خاندان کے لیے غالب حیثیت حاصل کر لی تھی اور اسی وجہ سے اس کے جانشینوں کو شمال کی سیاست میں حصہ لینے کا موقع ملا۔ علاوہ ازیں اسے عمارتیں تعمیر کرانے کا شوق تھا۔ اُس کے حکم پر ایلورا میں کیلاش کو پوری ایک چٹان کاٹ کر تعمیر کیا گیا تھا۔ لہٰذا اسے دنیا کا عجوبہ کہا جاتا ہے۔ ایک ماہر سیاستداں کے طور پر اس نے مفتوح خاندان کے کسی بھی رکن کو اپنی سلطنت میں کوئی اہم سیاسی پوزیشن حاصل کرنے کی اجازت نہیں دی۔

5.4.3 گووندادوم (Govinda II)

سب سے بڑے بیٹے کے طور پر گووندا 772 عیسوی کے قریب اپنے باپ کرشنا کے بعد تخت نشین ہوا۔ اسے اس کے والد نے اپنا جانشیں منتخب کیا تھا لیکن گووندا بہت آرام طلب تھا اور انتظامیہ سے زیادہ اسے دنیوی عیش وآرام میں دلچسپی تھی جب کہ اس کا چھوٹا بھائی دھروا تخت پر قبضہ کرنے کے لیے کوشاں تھا۔ گووندا شروع میں اپنے بھائی کے ارادوں کو نہیں سمجھ پایا اور اس نے سارا انتظامیہ دھروا کو سونپ دیا۔ دھروا نے اپنے نام سے لوگوں کو زمینیں دیں اور کئی بار اپنے بھائی سے اختلاف کیا۔ اس سے گووندا پر اپنے بھائی کے حقیقی ارادے منکشف ہوئے۔ نتیجتاً دھروا کو اس کے عہدہ سے برطرف کر دیا گیا اور ایک اجنبی کو اس کی جگہ نامزد کیا گیا۔ دریں اثنا گووندا نے پلووں، گنگوں، وینگی کے چالکیوں اور دیگر ہمسایہ طاقتوں کے ساتھ دوستی کی جس سے اس کے وزرا ناراض ہو گئے اور دھروا کی جانب راغب ہوئے۔ دھروا نے یہ اعلان کرتے ہوئے گووندا کے خلاف بغاوت کر دی کہ اس سے راشٹر کوٹ خاندان کو زوال کا خطرہ ہے۔ گووندا نے کانچی، مالوا، گنگا وتی اور وینگی کی مدد سے اپنے بھائی کی بغاوت کو کچلنے کی پوری کوشش کی۔ تاہم دھروا نے اپنے بھائی کو شکست دی اور 780 عیسوی میں تخت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

5.4.4 دُھروا دھاراورشا (Dhruva Dharavarsha)

دُھروا 50 سال کی عمر میں تاجدار بنا لیکن اس کی بڑھتی ہوئی عمر اس کے فوجی عزائم کو نہیں روک سکی۔ جاگیرداروں کو اپنے مقام پر رکھ کر کچھ سال اپنی حالت کو مستحکم کرنے کے بعد دھروا نے اپنے ہمسایوں کی جانب رخ کیا۔ گووندا کے حریفوں کو سزا دینے کے خواہاں دھروا نے سوامارا دوم کو جیل میں ڈال دیا اور پلو حکمراں سے محصول کی شکل میں ہاتھی وصول کیے۔ بعد ازاں اس نے وندھیا پہاڑوں کو پار کیا اور 789 عیسوی میں مالوا کے گرجرں کو ریگستان میں بھگا دیا۔ اس مقابلے سے دھروا کو حوصلہ ملا اور اس نے گنگا۔ یمنا دوآب پر حملہ کیا اور بنگال کے دھرم پال کو شکست دی۔ شمالی ہند میں دھروا کی جنگی مہم وگ وجے (فتح عظیم) تھی لیکن اس سے اسے مال غنیمت، عزت و شہرت کے علاوہ کوئی بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ وتس راج اور دھرم پال پر اس کی فتح کی بدولت حالانکہ اس کے علاقوں میں توسیع ہوئی لیکن وہ اپنی بنیاد سے دور تھا اور اتنا بوڑھا ہو گیا تھا کہ قنوج کی افواج کو مکمل طور پر کچل نہیں پایا۔ چاہے حقیقی سبب کچھ بھی ہو، راشٹر کوٹ افواج نے بلاشبہ سلطنت کی شان میں اضافہ کیا تھا لیکن بہت کم علاقے کو سلطنت میں شامل کر پائیں۔ اب وہ جنوب کی جانب واپس لوٹنے کے لیے بے چین تھیں۔ اس کے بعد وینگی کے وشنوور دھن چہارم کی باری تھی جسے دھروا کے ہاتھوں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے اپنے علاقے کا کچھ حصہ دھروا کے

حوالے کیااور اپنی بیٹی سیلا مہادیوی کی دھروا کے ساتھ شادی کر دی۔ اس طرح جنوب کی جنگی مہم نے اس کی علاقائی سرحد میں اضافہ کیا۔ دھرواسارے ہندوستان میں ناقابل شکست رہا۔ وہ راشٹر کوٹ خاندان کااہم ترین حکمراں تھا۔ 13 سال کی اپنی مختصر حکمرانی میں اس نے نہ صرف راشٹر کوٹوں کی طاقت میں اضافہ کیابلکہ اسے ایک ہیبت ناک جنگی قوت میں تبدیل کر دیا۔ دھروا کے چار بیٹے تھے جن کے نام تھے کرک، استمبھ، گووندااوراندر۔ ایسالگتاہے کہ کرکااپنے باپ سے پہلے ہی فوت ہو گیا تھا۔ دھروانے گووند سوم کو تخت کے لیے منتخب کیا تھا کیوں کہ وہ اس کی صلاحیت ومہارت سے استمبھ کے مقابلہ میں زیادہ متاثر تھا۔ استمبھ اپنے والد کے دور حکومت میں نومفتوحہ صوبہ گنگاوتی کاوائے سرائے تھا۔ کرکااپنے باپ کے تاجدار بننے سے پہلے ہی خاندیش کا منتظم تھا۔ گووندا کو اس کے والد نے اپنے جانشیں کے طور پر منتخب کر لیا تھااوراندر کی اتنی اہمیت نہیں تھی۔ گووند کاانتخاب ایک رسمی تاجپوشی کے ذریعے ہوااور دھروانے اپنا تخت چھوڑ دیا793اور794عیسوی کے درمیان اس کی موت ہو گئی۔

5.4.5 گووندا سوم (Govinda III)

گووند کی تخت نشینی توپرامن طور پر ہو گئی تھی لیکن اس کا بڑا بھائی استمبھ بے عزتی کے احساس سے جل اٹھا۔ لہٰذا اس نے جلد ہی تخت تاج حاصل کرنے کے لیے بارہ راجاؤں کاایک مضبوط اتحاد قائم کیا۔ اگرچہ ہمیں اس اتحاد کے اراکین کے بارے میں کچھ سراغ نہیں ملتا ہے لیکن پھر بھی ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ وہ ہمسایہ اور جاگیر دار ہوں گے جنہیں بوڑھے بادشاہ دھروانے دبایا ہو گا۔ گووند نے اس متوقع بغاوت کا بعض حلیف جاگیر داروں کی مدد سے سامنا کیا۔ چھوٹے بھائی اندرانے پرجوش طریقے سے اس کی حمایت کی۔ گووندانے استمبھ اور اس کے حلیفوں کو شکست دے کر اپنی پوزیشن کو محفوظ بنایااور انتہائی مددگار بھائی اندرا کو'لتا(گجرات)کاوائسرائے مقرر کر دیا۔ مفتوح گنگا حکمرانوں کو قیدی بناکراور 798عیسوی میں گنگاوتی کوراشٹر کوٹ سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔ استمبھا کو دوبارہ گنگاوتی کا وائے سرائے مقرر کیا گیا وہ802عیسوی تک اپنے عہدہ پر فائز رہا۔ نولم بواڈی نے گووند کے اقتدار کو تسلیم کیا۔ گووند نے شمال کی جانب رخ کیا۔مالوا کے گرجر رتیہارراجاناگ بھٹ نے بعض دیگر راجاؤں کے ساتھ اتحاد کر کے خود کو شمال کاایک طاقتور حکمراں بنایا۔ گووندا کو شک ہوا کہ ناگ بھٹ اپنے بڑھتے ہوئے اثر کی وجہ سے راشٹر کوٹ علاقے پر حملہ کر سکتا ہے۔ لہٰذا اس نے محسوس کیا کہ اس سے قبل کہ ناگ بھٹ بہت زیادہ طاقتور ہو جائے، اسے کچل دینا چاہیے۔ گووندا اپنی افواج کے ساتھ شمالی ہند میں داخل ہوااور ناگ بھٹ نیز اس کے حلیفوں کو شکست دی اور مالوا کالتاکے ساتھ کچھ وقت کے لیے الحاق کر دیا۔ گووندا جیسے ہی شمال میں آگے بڑھا ویسے ہی قنوج کے حکمراں چکراپودھ نے رضاکارانہ طور پر اس کی برتری تسلیم کر لی۔ واپسی کے دوران اس نے نرمدا کے قریب سری بھاؤنامیں قیام کیا کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد وہ پلووں کی راجدھانی کانچی پر حملہ آور ہوا۔ 803عیسوی سے کچھ پہلے وہ کانچی کے پلوّ حکمراں دانتی ورمن کو ہرانے میں کامیاب رہا لیکن یہ شکست فیصلہ کن نہیں تھی کیوں کہ اسے اپنے اقتدار کے آخری دور میں ان پر دوبارہ حملہ کرناپڑا۔

گووندا کی فوج کہیں سری لنکا پر حملہ نہ کر دے، یہ سوچ کر سری لنکا کے بادشاہ نے ایک سفیر بھیج کر گووندا کی اطاعت قبول کر لی۔ وینگی کے حکمراں وجے آدتیہ نے گووندا کی طاقت وعظمت کو محسوس کیا۔ دریں اثنا گووندانے وجے آدتیہ کے سوتیلے بھائی بھیم کی حمایت کرتے

ہوئے اسے وینگی کے تخت پر بٹھادیا۔ بھیم ہمیشہ گووندا کا ایک وفادار اور سعادت مند جاگیر دار رہا۔ بلاشبہ گووندا راشٹر کوٹ خاندان کا ایک اہل ترین حکمراں تھا۔ اس شاہی خاندان کی شان و عظمت بڑھانے اور علاقائی توسیع کا سہرا اس کے سر تھا۔ اس نے شمال میں ناگ بھٹ اور دھرم پال کو شکست دی۔ اس کے دور میں راشٹر کوٹوں کی طاقت سارے ہندوستان میں ناقابل شکست تھی۔ اس کی کامیابی کا سبب اس کی شجاعت، حکمت اور تنظیم کی صلاحیت تھی۔ اس نے اپنے بھائی اندرا کو گجرات کا وائسرائے بنا کر سلطنت کی شمالی سرحدوں کو محفوظ کر دیا جس کی بدولت اس کا کم عمر ولی عہد (اموگھ ورش) اس کے بعد پرامن طور پر تخت نشین ہو سکا۔

5.4.6 اموگھ ورش (Amoghavarsha)

گووندا کے بعد اس کا بیٹا اموگھاورشا (880-814ء) جس کا اصلی نام 'سروا' تھا تخت نشین ہوا لیکن وہ سروا کی بجائے اپنے خطاب اموگھ ورش کے نام سے زیادہ مشہور ہوا۔ تاجپوشی کے وقت اس کی عمر صرف 14 سال تھی۔ کرکا کو خاص طور پر گجرات سے اپنے چچیرے بھائی کی نیابت سنبھالنے اور انتظامیہ چلانے کے لیے بلایا گیا۔ 817 عیسوی میں نوعمر بادشاہ کے خلاف زبردست بغاوت ہوئی جس میں اموگھ ورش ملک چھوڑ کر بھاگ گیا تھا لیکن کرکا نے بغاوت کو کچل دیا اور اموگھ ورش کو واپس بلا کر 821 عیسوی میں اسے بحال کیا۔ مشرقی چالوکیہ راجا وجے آدتیہ دوم اور گنگ حکمراں راجاملا دونوں نے بغاوت کی حمایت کی تھی اس لیے اموگھ ورش انہیں سزا دینا چاہتا تھا۔ اگرچہ وہ مشرقی چالکیوں کو ہرانے کے بعد وینگی پر قابض ہو کر اپنی بالادستی قائم کر چکا تھا لیکن 846-845 عیسوی کے قریب اس نے اسے کھو دیا۔ اس وقت وجے آدتیہ سوم کے ایک جنرل پانڈورنگا نے راشٹر کوٹوں پر فتح حاصل کی اور 15 سال کے اندر ہی مشرقی چالکیوں نے وینگی کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

گنگ حکمراں سیوامرا' جسے گووندا نے رہا کر کے پچھلی حیثیت پر بحال کر دیا تھا وہ مشکل سے ایک سال تک ہی اموگھ ورش کا وفادار رہا اور 816 عیسوی میں اس نے نوعمر بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی لیکن سومارا جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ بعد ازاں اس کا بھتیجا رچاملّا حکمراں بنا جس نے راشٹر کوٹوں سے کچھ حصہ تو لے لیا لیکن اس کے لیے وہ تمام علاقے واپس لینا ناممکن تھا جس پر اموگھ ورش نے قبضہ کر لیا تھا۔ رچاملّا کے بیٹے ارایا نے بھی جس نے 870-837 عیسوی کے درمیان حکومت کی، سلطنت کے دیگر جاگیرداروں کے ساتھ مل کر اموگھ ورش کے خلاف بغاوت کی۔ راشٹر کوٹ سپہ سالار بنکیا نے اگرچہ انتہائی مؤثر طور پر بغاوت کو دبا دیا تھا لیکن اسے اپنی مہم کو چھوڑ کر راجدھانی واپس جانا پڑا کیوں کہ وہاں ایک اور ہنگامہ ہو گیا تھا۔ اموگھ ورش کے ایک وفادار جاگیردار گنگا وجے آدتیہ کو بنکیسا کے کام کو جاری رکھنے کے لیے مقرر کیا گیا۔ اس نے نیتی مارگ کو دبایا اور اطاعت پر مجبور کیا۔ راجدھانی کے قریب ولی عہد کرشنا اور لتا کے حکمراں کرکا کے بیٹے دھرواوّل میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ اگرچہ دھرواوّل جنگ میں سپہ سالار بنکیا کے ہاتھوں مارا گیا لیکن اس کے بیٹے اکال ورش اور پوتے دھروا دوم کے ساتھ یہ تنازع جاری رہا۔ جب 860 عیسوی میں گرجر پرتیہار حکمراں مہر بھوج نے دھروا دوم کو دھمکی دی تب دھروا نے اموگھ ورش سے مصالحت میں ہی بہتری سمجھی۔

اس معاہدے کے بعد اموگھ ورش اپنے تمام دشمنوں سے نمٹنے میں کامیاب رہااور 867عیسوی تک اموگھ ورش نے تخت پر اپنی گرفت مضبوط کرلی۔اس طرح اموگھ ورش نے اگرچہ 66سال کے طویل عرصے تک حکومت کی لیکن اپنے علاقے کے کچھ حصوں میں بھی اسے کبھی کبھی دشواریوں کا سامنا کرناپڑا۔مزاج کے لحاظ سے اموگھ ورش ایک امن پسند انسان تھااور مذہب وادب میں بھی اس کی دلچسپی تھی۔ اس نے کبھی بھی رسمی طور پر ہندومت کو ترک نہیں کیالیکن جین دھرم کا ایک حصہ پرینترا،رتنامالیکا اس سے منسوب تھا۔ وہ جس طرح مذہبی اصولوں کو سنتا تھاان پر عمل بھی کیا کرتا تھا۔وقتاًفوقتاًوہ اپنے حکمرانی کے منصب سے سبکدوش ہو کر کچھ وقت جین بھکشوؤں کے ساتھ گزارا کرتا تھا۔ایسے مواقع پر ولی عہد کرشنا' حکومتی امورانجام دیتا تھا۔اموگھاورشانے اپنی راجدھانی مانیہ کھیت میں ایک شاندار محل تعمیر کرایاجو اپنے فن تعمیر کے لیے مشہور تھاجس میں زنان خانہ اورایک تالاب تھا۔اس کے بعد اس کا بیٹا کرشنادوم 880عیسوی میں بادشاہ بنا۔

5.4.7 کرشنادوم (Krishna II)

اس لحاظ سے کرشنا خوش قسمت تھا کہ اپنے بیشتر پیشروؤں کی طرح اسے جانشینی کے لیے جنگ کا سامنا نہیں کرناپڑا کیوں کہ وہ اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔تاہم اس وقت کے سیاسی حالات اس کے لیے سازگار نہیں تھے۔کرشنا کو اپنے بیشتر ہمسایوں کے ساتھ جنگوں میں مصروف رہناپڑا۔جنوب میں اسے گنگاؤں اور نولمباؤں، مشرق میں وینگی کے چالکیوں اور شمال میں گجرات کے راشٹر کوٹوں اور گرجر پرتھیہاروں کے ساتھ جنگیں لڑناپڑیں۔اس نے چیدی حکمراں کوکل کے ساتھ، رشتہ ازدواج قائم کرکے اسے اپنا جنگی حلیف بنادیا۔وینگی کے چالکیوں کے ساتھ اس کے سیاسی رشتے اچھے نہیں تھے۔چالوکیہ راجابھیم اول نے وینگی کے مفتوح علاقوں کو کرشنادوم سے دوبارہ جیت لیا تھا لیکن جنگ کے دوران بھیم کا سب سے بڑا بیٹا لڑتے ہوئے مارا گیا تھا۔اس کے باوجود کرشنا کی حکومت سب سے طاقتور تھی۔اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد 888 عیسوی کے قریب کرشنا کی بھوج سے جنگ ہوئی۔اس لڑائی میں چیدی حکمراں'اس کے اپنے جاگیردار اور ولی عہد جگاتنگا شامل تھے۔ان جنگوں سے کسی کو بھی مکمل کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور گرجر پرتیہار ایک مضبوط شمالی طاقت بنے رہے۔انہوں نے راشٹر کوٹوں کو شمال میں آگے بڑھنے سے باز رکھا۔کرشنا اتنا کمزور تھا کہ وہ اپنے اجداد کی طرح عملی اقدام نہیں کرسکااور بھیم اتنا بوڑھا ہو چکا تھا کہ وہ اپنے شمالی ہمسائے کے خلاف حملے نہیں کرسکتا تھا۔نویں دہائی کے اختتام تک راشٹر کوٹ کی گجرات شاخ ختم ہو چکی تھی اور گجرات کے حکمراں یا اس کے جانشیں کو راجدھانی سے نکال دیا گیا تھا۔کرشنا اپنے دادا کی طرح ایک باصلاحیت حکمراں نہیں تھا۔اس کی واحد فوجی حصولیابی یہ تھی کہ اس نے گجرات میں راشٹر کوٹوں کی شاخ کو تباہ کردیا تھا لیکن یہ کوئی عظیم کارنامہ نہیں تھا۔اس نے مہر بھوج اول اور بنگال کے مہیندر پال کے مقابلے میں خود کو بچائے رکھا۔اس کا جھکاؤ بھی اپنے والد کی طرح جین دھرم کی جانب تھا اور آدی پران کے آخری پانچ ابواب لکھنے والے مشہور جین سنت گیانیشور اس کے رہنما تھے۔914عیسوی تک کرشنا فوت ہو گیا تھا۔

5.4.8 اندراسوم (Indra III)

کرشنادوم کے بعد اس کا پوتا اندراسوم راشٹر کوٹ کے تخت پر بیٹھا۔جب اس کی تاج پوشی ہوئی تو وہ تقریباً 35سال کا تھااور اس نے

صرف 5 سال حکمرانی کی لیکن اس کا دور حکومت شاندار رہا۔اس نے گوردھن پر حملہ آور پرمار حکمراں اپیندر کو شکست دی۔ نتیجتاً پرمارا حکمراں جو گرجر۔پرتیہاروں کے جاگیر دار تھے،اب راشٹر کوٹوں کے باجگزار بن گئے۔اس طرح اندرا کو گرجر پرتیہاروں سے نمٹنے کا موقع ملا۔جب بھوج دوم اپنے باپ کے بعد تخت نشین ہوا تو دو برسوں کے اندر ہی اسے جانشینی کی جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ شاہی خاندان میں جھگڑوں سے جاگیر دار بھی دو پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور اس موقع کا اندرا نے فائدہ اٹھایا۔اس طرح اس نے شمال میں اپنی برتری قائم کر لی۔اس نے پہلے اجیّن پر حملہ کیا، بعد ازاں یمنا ندی کو عبور کر کے قنوج پر قبضہ کر لیا۔ گرجر پرتیہار راجا مہی پال کو اندرا کے سپہ سالار چالکیا نرسمہا نے شکست دے کر محکوم بنالیا۔تاہم یہ فتح اندرا کی اچانک موت کے باعث کم وقت تک ہی برقرار رہی۔

5.4.9 اموگھ ورش دوم (Amoghavarsha II)

اموگھ ورش دوم 917عیسوی میں اپنے باپ کا جانشیں بنا لیکن ایک سال کے اندر ہی فوت ہو گیا۔ بعد ازاں اس کا بھائی گووندا چہارم 918عیسوی میں اس کا جانشیں بنا۔

5.4.10 گووندا چہارم (Govinda IV)

بعض تانبے کی پلیٹوں پر کندہ عبارتوں میں لکھا ہے کہ وہ عشق کے دیوتا جیسا خوبصورت نظر آتا تھا۔وہ 20 سالہ کا نوجوان تھا اور اپنی حکومت کا زیادہ تر وقت لہو ولعب میں گزارتا تھا۔ گووندا میں اپنے باپ کے مفتوحہ صوبوں کو سنبھالنے کی قابلیت نہیں تھی۔اسی کے دور حکو مت میں کسی وقت مہی پال نے قنوج کو دوبارہ فتح کر لیا اور راشٹر کوٹ فوج کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ مشرقی چالکیہ راجا بھیم دوم نے جو 934عیسوی میں تخت نشین ہوا تھا، گووندا کو شکست دی اور اپنے علاقوں کو واپس لے لیا۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گووندا نے اپنے جاگیر داروں اور خود اپنے ہی وزرا میں عدم اعتماد پیدا کر دیا تھا۔ بالآخر اس کے چچا اموگھ ورش سوم کو جو کافی عمر دراز تھا، تخت نشین کرایا گیا۔ کرشنا سوم کو ولی عہد بنایا گیا اور اسے انتظامیہ کی نگرانی سونپ دی گئی۔اموگھ ورش نے اپنی بیٹی کی شادی گنگا کے ولی عہد بٹو کا دوم سے کر دی۔ کرشنا اپنے بہنوئی کو گنگا کے تخت پر بٹھانا چاہتا تھا۔اس نے راچمّلا اور وانگا کو، جو شاید نو لمبا شہزادے اور اس وقت گنگا کے حکمراں رچاملّا کے جاگیر دار تھے، مار ڈالا۔ بعد میں اس نے خود رچاملّا کو شکست دے کر قتل کر دیا اور بٹو کا کو گنگا کے تخت پر بٹھا دیا۔اس کے بعد کرشنا نے شمال کی طرف پیش قدمی کی اور چیدی کے حکمراں کو شکست دی۔ راشٹر کوٹ فوج نے چنڈیل ملک کے قلب میں واقع قلعے وں کالنجر اور چتر کوٹ پر قبضہ کر لیا تھا۔ یہ تقریباً دس سال تک راشٹر کوٹوں کے قبضہ میں رہا لیکن بعد میں چنڈیل راجا سورمن نے اسے دوبارہ فتح کر لیا تھا۔جب اموگھ ورش فوت ہو گیا تو 40-939عیسوی میں کرشنا سوم راشٹر کوٹ تخت پر بیٹھا۔

5.4.11 کرشنا سوم (Krishna III)

کرشنا پہلے ہی اپنے آپ کو ولی عہد ثابت کر چکا تھا لہٰذا اس کی جانشینی پرامن طور پر ہوئی۔ کرشنا نے جنوب کی جانب توجہ مبذول کی۔ اس کا بہنوئی بٹو کا، گنگا وتی کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور بانا کا شہزادہ وکرم آدتیہ اس کا حلیف تھا۔اسے صرف چول راجا پرانتک سے خطرہ تھا جو ایک

پر عزم حکمراں تھا۔ پرانتک نے بنالڑی کو فتح کرلیا تھا۔ لہٰذا کرشنا نے اپنی حکومت کے تیسرے سال میں وکرم آدتیہ سوم کے تخت کو محفوظ بنانے کے نام پر چول حکومت پر حملہ کردیا۔ اس کا خفیہ ایجنڈہ جنوب کے زیادہ سے زیادہ علاقوں کو فتح کرنا تھا۔ کرشنا نے سارے ٹونڈئی منڈلم کو اپنے قبضہ میں کرلیا۔ اس جنگ کے بعد یہ علاقہ اس کے دوراقتدار میں اس کے قبضے میں رہا۔ فیصلہ کن جنگ 949عیسوی میں شمالی ارکاٹ ضلع کے ٹکّولم(Takkolam) میں ہوئی۔ بٹوکا نے چول ولی عہد وکرم آدتیہ کو مارڈالا اور چول راجدھانی پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح کرشنا نے چول سلطنت کے شمالی حصے کو اپنے علاقے میں ضم کرنے کی کوششیں کیں۔ کرشنا نے وینگی کے تخت پر اپنی حلیف طاقت کو لانے کی بھی کوشش کی۔ اسی دوران جب کرشنا جنوب میں مصروف تھا تو شمال میں مشکلات پیدا ہونے لگیں جہاں سورمن کے دور میں چنڈیلوں کا عروج ہوا اور انہوں نے کالنجر کے قلعہ کو دوبارہ فتح کرلیا۔ کرشنا نے اپنی سلطنت کی شمالی سرحدوں پر ایک بڑی جاگیردارانہ طاقت کے طور پر پرماروں کو ابھرنے کی چھوٹ دے کر ایک بڑی سیاسی غلطی کی تھی، جس کی وجہ سے اس نے جتنا جنوب میں حاصل کیا تھا اس سے زیادہ شمال میں کھونا پڑا۔ وہ ایک لائق حکمراں اور باصلاحیت سالار تھا کیوں کہ اس کے بغیر یہ تمام حصولیابیاں ناممکن تھیں۔

5.4.12 کھوٹیگا (Khotega)

کرشنا کا ایک بیٹا تھا لیکن وہ اپنے باپ سے پہلے ہی وفات پاچکا تھا اور اس کا پوتا ابھی حکمرانی سنبھالنے کے لائق نہیں تھا۔ لہٰذا کرشنا کے چھوٹے بھائی کھوٹیگا کو 968عیسوی میں تخت نشیں کرایا گیا۔ کھوٹیگا کے دوراقتدار سے راشٹر کوٹوں کے زوال کے شروعات ہوئی۔ شمال میں کبھی ناقابل تسخیر سمجھے جانے والے راشٹر کوٹوں کو شمالی ہند کے پرمار راجاؤں کے ہاتھوں پہلی بار کا سامنا کرنا پڑا اور راشٹر کوٹ فوج کی طاقت کا بھرم ٹوٹ گیا۔ کھوٹیگا کے ہمعصر مالوہ کے حکمراں ہرش دیو نے حملہ کرکے راشٹر کوٹ راجدھانی کو لوٹ لیا اور خوب قتل وغارت مچائی۔ ایسا لگتا ہے کہ شاید 972عیسوی کے آس پاس کھوٹیکا بھی جنگ میں مارا گیا اور کرکا دوم تخت سلطنت پر بیٹھا۔

5.4.13 کرک دوم (Karka II)

کرک، کرشنا اور کھوٹیگا کے چھوٹے بھائی نروپما کا بیٹا تھا۔ اس نے بمشکل 18 ماہ حکمرانی کی۔ 973عیسوی کے وسط میں چالکیہ سلطنت کے تیلا دوم نے کرکا کو شکست دی اور اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔ راشٹر کوٹ ریاست کا اچانک خاتمہ کوئی طویل سیاسی عمل نہ تھا، جس طرح ایک فتح سے اس کی شروعات ہوئی اسی طرح ایک شکست سے اس کا زوال ہوا، مگر یہ بیحد تیزی کے ساتھ ہوا۔ 967عیسوی میں کرشنا سوم ہر لحاظ سے طاقتور تھا لیکن پھر بھی 973عیسوی میں راشٹر کوٹوں کا خاتمہ ہوگیا۔

5.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

دور قدیم میں راشٹر کوٹوں نے جنوبی ہند کے ایک بڑے حصے پر حکومت کی۔ ابتدا میں راشٹر کوٹ، چالکیوں کے جاگیردار تھے لیکن بعد میں ان کو شکست دے کر خود حکمراں بن گئے۔ دو صدیوں بعد بادامی کے چالکیوں نے نئی طاقت حاصل کی اور راشٹر کوٹوں کا خاتمہ کردیا۔ راشٹر کوٹوں کا تعلق لاتور (مہاراشٹر کے موجودہ ضلع عثمان آباد) سے تھا۔ ان کی مادری زبان کنڑ تھی۔ بادامی کے چالکیوں کے ابتدائی دوراقتدار

میں راشٹر کوٹ ضلع افسران تھے جو بعد میں برار ہجرت کرکے جاگیر دار بن گئے تھے۔ دنتی درگ راشٹر کوٹ ریاست کا بانی تھا۔ نوجوان اور پر عزم ہونے کے باعث دنتی درگ نے چالکیوں کی کمزوری کا فائدہ اٹھایا۔ بادامی کے کیرتی ورمن دوم کو شکست دے کر وہ مہاراشٹر کا مالک بن گیا۔ اس نے کوسل، سرپور کے اُدین، رائے پور کے پر تھوی وِیا گرہ، بھڑوچ کے گرجروں، گجرات کے چالکیوں اور تلنگانہ کے کو داس پر کامیابی حاصل کی اور پلووں کے ساتھ اتحاد کرکے وہ راشٹر کوٹ کا سلطنت کا حقیقی بانی بن گیا تھا۔ اس نے خود کو مہاراج ادھیراج کا کہلوایا۔ 756 عیسوی میں اس کے مرنے کے بعد کرشنا اول تخت نشین ہوا۔ اس نے کونکن، کرناٹک اور تلنگانہ کے بڑے حصے کا اپنی سلطنت میں الحاق کرکے اپنا علاقہ تین گنا بڑھالیا تھا۔ اس سے پورے دکن میں راشٹر کوٹ خاندان کا دبدبہ قائم ہو گیا۔ 772 عیسوی کے قریب اس کا سب سے بڑا بیٹا گووندا دوم تخت نشین ہوا۔ گووندا کو انتظامیہ سے زیادہ دلچسپی عیش و عشرت میں تھی لیکن اس کے چھوٹے بھائی دھروا کی نظریں تخت پر لگی تھیں۔ 780 عیسوی میں دھروا نے گووند کو شکست دی اور خود حکمراں بن گیا۔ وہ راشٹر کوٹوں کے اہل ترین حکمرانوں میں سے تھا۔ اس نے جنوب میں راشٹر کوٹوں عظمت بخشی اور شمالی ہند میں مہم جوئی کرکے راشٹر کوٹوں کو کل ہند طاقت بنایا۔ اس کے بعد اس کا تیسرا بیٹا گووندا سوم تخت نشین ہوا۔ اس نے علاقہ میں توسیع کے ساتھ ساتھ سلطنت کے وقار میں بھی اضافہ کیا۔ اس کے دور میں راشٹر کوٹ ہندوستان میں ناقابل شکست رہے۔ اس کی کامیابی کے اسباب اس کی دلیری سیاسی حکمت اور تنظیم کی صلاحیت تھی۔ گووندا سوم کے بعد اس کا بیٹا اموگھ ورش تخت پر بیٹھا۔ تاجپوشی کے وقت اس کی عمر صرف 14 سال تھی۔ اس کے عہد میں بہت سی بغاوتیں ہوئیں لیکن اپنے حامیوں کی مدد سے وہ اپنے تخت کو بچانے اور بحال رکھنے میں کامیاب رہا۔ 880 عیسوی میں اس کے بعد اس کا بیٹا کرشنا حکمراں بنا۔ وہ اپنے پیشروؤں کی طرح ایک لائق حکمراں نہیں تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا پوتا اندرا سوم تحت نشین ہوا لیکن اس نے صرف پانچ سال حکومت کی۔ اپنی مختصر مدت اقتدار میں بھی اس نے بہت سی فتوحات حاصل کیں بعد ازیں اس کا بیٹا اموگھ ورش تخت سلطنت پر بیٹھا لیکن ایک سال کے اندر ہی اس کی وفات ہو گئی۔ 918 عیسوی میں اس کا بھائی گووندا چہارم تخت نشین ہوا مگر اسے زندگی کے عیش و آرام میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اس وجہ سے راشٹر کوٹوں کے کچھ علاقے پر چالکیوں نے قبضہ کرلیا۔ گووندا کے بعد اس کی سلطنت اس کے چچا اموگھ ورش سوم کے پاس چلی گئی جس نے کچھ فتوحات کیں لیکن وہ جلد ہی وفات پا گیا اور اس کے بعد کرشنا سوم تخت نشین ہوا۔ اس نے چولوں کے ایک شمالی علاقے کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے شمالی علاقوں کو گنوا دیا۔ 968 عیسوی میں اس کا چھوٹا بھائی کھوٹیگا تخت پر بیٹھا جس کے دور میں راشٹر کوٹ حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

5.6 فرہنگ (Glossary)

راشٹر	:	علاقہ
کوٹ	:	سربراہ یا رہنما
یووراج	:	شہزادہ
دِگ وجے	:	فتح عظیم

5.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Exanimation Questions)

5.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. راشٹر کوٹ سلطنت کا بانی کون تھا، جس نے بادامی کے چالکیوں کو شکست دی؟

(الف) کرشنااول (ب) دنتی درگ (ج) دھرو (د) اموگھ ورش

2. ایلورا میں چٹان کاٹ کر بنایا گیا مشہور کیلاش مندر کس راشٹر کوٹ حکمراں نے تعمیر کرایا تھا؟

(الف) دنتی درگ (ب) گووند سوم (ج) کرشنااول (د) اموگھ ورش

3. وہ کون سا پہلا راشٹر کوٹ حکمراں تھا جس نے وندھیا پہاڑوں کو پار کر کے شمالی ہند کی سیاست (سہ طرفہ جدوجہد) میں مداخلت کی؟

(الف) گووند دوم (ب) کرشنااول (ج) دنتی درگ (د) دھرو

4. راشٹر کوٹ حکمراں اموگھ ورش نے کس شہر کو اپنی نئی راجدھانی بنایا؟

(الف) ایلورا (ب) بادامی (ج) مانیہ کھیت (د) وینگی

5. کس راشٹر کوٹ حکمراں نے قنوج پر حملہ کر کے پرتی ہار راجا مہی پال کو شکست دی تھی؟

(الف) کرشنادوم (ب) اندر سوم (ج) گووندا چہارم (د) کرشنا سوم

5.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. راشٹر کوٹ خاندان کے پس منظر اور اصل کے بارے میں ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
2. راشٹر کوٹ حکومت کی بنیاد پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے
3. کرشنااول کے بارے میں بتایئے۔

5.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. گووندا سوم کے عہد حکومت پر ایک تفصیلی مضمون قلم بند کیجیے۔
2. اموگھ ورش کی خدمات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

اکائی 6۔ چوہان خاندان

(The Chauhans)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید

6.1 مقاصد

6.2 چوہانوں کی ابتدا

6.2.1 اگنی کل نظریہ

6.2.2 قدیم چھتری نژاد

6.2.3 برہمن نژاد

6.2.4 غیر ملکی نژاد

6.2.5 مخلوط النسل

6.3 چوہانوں کا اصل مسکن

6.4 چوہانوں کے ابتدائی خاندان

6.5 رنتھمبور کے چوہان

6.6 ناڈول کے چوہان

6.7 جالور کے چوہان

6.8 چوہانوں کے تحت ثقافت اور تہذیب

6.8.1 بادشاہت کی نوعیت

6.8.2 فوج

6.8.3 آمدنی

6.8.4 سماجی زندگی

6.8.5 تعلیم
6.8.6 مصوری اور مجسمہ سازی
6.8.7 موسیقی
6.9 چوہانوں کا زوال
6.10 اکتسابی نتائج
6.11 فرہنگ
6.12 نمونہ امتحانی سوالات

6.0 تمہید (Introduction)

قدرت کے ایک اصول کے طور پر اس کائنات میں ہر چیز کا آغاز اور اختتام ہوتا ہے تاریخ کے طالب علموں کی حیثیت سے اب تک ہم نے بہت سی سلطنتوں کے بارے میں پڑھا ہے جو بچ گئیں یا امتدادِ زمانہ کا شکار ہو گئیں اور ہم ہمیشہ کسی خاندان کی ابتدا کو سمجھنے سے شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح ہم چوہانوں کی اصلیت کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ چوہان کا لفظ سنسکرت کی اصطلاح چوہان کی مقامی شکل ہے۔ چوہان کے متعدد کتبات میں چوہان نامی ایک افسانوی ہیرو کو اپنا جد قرار دیا گیا ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس دور کو بیان نہیں کرتا جس میں وہ رہتا تھا جبکہ 'وقت' یا 'زمانہ' تاریخ کا ایک اہم جزو ہے۔ ابتدائی عہد وسطیٰ کی سیاست میں چوہان خاندان کا ایک اہم مقام تھا، کیونکہ وہ قدیم ہندوستانی راجاوں اور ترک حکمرانوں کے درمیان ایک کڑی کا کام کرتے تھے۔ اس اکائی میں ہم چوہان خاندان کی ابتدا اور اس کے عروج کا جائزہ لینے کی کوشش کریں گے۔ عظیم پرتی ہار ریاست سے ٹوٹ کر بنی اس ریاست کو اس کے داستانوی حکمراں پرتھوی راج سوم یا پرتھوی راج چوہان یا پھر ترکوں کے رائے پتھورا کے ذریعے شہرت حاصل ہوئی۔ یہ وہی پرتھوی راج ہے جس کی محبت اور بہادری کی داستان کو اس کے درباری شاعر چندر بردائی کے افسانے پرتھوی راج راسو میں بنیادی اہمیت دی گئی ہے۔

6.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- چوہانوں کے اصل نژاد سے واقف ہو سکیں گے۔
- چوہان خاندان کی ابتدا کے بارے میں جان سکیں گے۔
- رنتھمبور کے چوہان خاندان کے بارے میں دریافت کر سکیں گے۔
- ناڈول کے چوہان خاندان کے بارے میں دریافت کر سکیں گے۔

- جالور کے چوہان خاندان کے بارے میں دریافت کرسکیں گے۔
- چوہان عہد میں ثقافت اور تہذیب پر روشنی ڈال سکیں گے۔

6.2 چوہانوں کی ابتدا (Origin of the Chauhanas)

چوہانوں کی ابتدا کے بارے میں مختلف نظریات ہیں جن کا ذکر مختلف طریقوں سے کیا گیا ہے چوہانوں کی ابتدا کو بیان کرنے والا سب سے پہلا تشریحی کتبہ نادول کے چوہان حکمران رتن پال کا 1119ء کا سیوادی کتبہ ہے۔اس کتبے کے مطابق چوہانوں کا جد اعلیٰ اندر دیوتا کی آنکھ سے پیدا ہوا جو سائنسی حقائق کے متضاد ہے۔اس وقت کے شعراء اور تاریخ نگار انہیں آگ میں پیدا ہونے والے یا اگنی کل سے سمجھتے تھے۔ یہ صرف ایک افسانہ ہے اور حقیقت میں ناممکن ہے۔ کچھ پرانے دستاویزوں اور کاویوں کی دلیل کی بنیاد پر اوجھا جیسے مورخین کا خیال ہے کہ وہ شمسی نسل کے راجپوت تھے۔ مورخین کا ایک اور گروہ انہیں غیر ملکی سمجھتا ہے جو ہندوستان میں ہجرت کر کے آباد ہوئے۔آیئے ان نظریات کو تفصیل سے دیکھتے ہیں۔

6.2.1 اگنی کل نظریہ (Agnikula Theory)

اس نظریے کی تشہیر راجپوت حکمرانوں کے شعراء اور درباری مورخین نے کی جن کی رائے تھی کہ راجپوتوں کی تخلیق مہارشی وشیشٹھ نے کی تاکہ ان کے ذریعہ ان بدروحوں صفایا کیا جائے جنہوں نے زمین پر انار کی پھیلائی ہے،ان کے خیال میں اگنی کل سے وشیشٹھ نے چار جنگجو؛ پرتی ہار، چالوکیہ، پرمارا اور چوہان تخلیق کیے چونکہ یہ چاروں اگنی (آگ) سے پیدا ہوئے تھے اس لیے انہیں اگنی ونشی یا آگ سے پیدا ہونے والا کہا جاتا تھا۔ چونکہ اس نظریے کو سائنسی علم کی بنیاد پر قبول نہیں کیا جاسکتا اس لیے یہ ایک غیر معتبر نظریہ ہے۔

6.2.2 قدیم چھتری نژاد (Ancient Kshatriya Origin)

گوری شنکر اوجھا کا خیال ہے کہ یہ راجپوت قدیم چھتری قبیلہ سے پیدا ہوئے تھے بعض مورخین کی رائے ہے کہ چھتری جاگیرداروں کے غیر قانونی بچے (جنہیں حکمرانوں سے خصوصی اراضی بطور امداد ملی اور وہ بڑی بڑی زمینوں کے مالک تھے) راجپتر کہلاتے تھے بعد میں انہیں راجپوت کے نام سے جانا گیا اور چوہان ان ہی کی اولاد تھے۔

6.2.3 برہمن نژاد (Brahman Origin)

دشرتھ شرما اور وشمبر سرن پاٹھک کا خیال ہے کہ اس وقت کے راجپوتوں کی ابتدا برہمنوں سے ہوئی ہے۔ بجولیا کے فرمان میں چوہانوں کو وتس گوتر، برہمنوں اور واسودیو کے جاگیردار جانشینوں کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ پرتھوی راج راسو بھی وتس سے چوہانوں کی ابتدا کو بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ ان مورخین کے مطابق چوہان برہمن ذات سے تھے حالانکہ ذات پات کی ابتدا،اس اکائی کا موضوع نہیں ہے۔ سومیشور کے 1170ء کے بجولیا چٹانی کتبہ کے مطابق ابتدائی چوہان بادشاہ سمنترج کی پیدائش آہی چھتر پورہ میں سیج وتسا کے گوتر میں ہوئی

تھی۔ مورخ آر۔بی سنگھ کا نظریہ ہے کہ چوہانوں کا آغاز غالبا اہیچھتر پورہ(جونا گور کے نام سے جانے گئے) کے چھوٹے موٹے حکمرانوں کے طور پر ہوئی تھی اور سلطنت کی وسعت کے بعد انہوں نے اپنادارالحکومت شکمبھری(سمبھر) منتقل کیا۔بعد میں وہ شاہی گرجارہ پرتی ہاروں کے محکوم بن گئے۔

6.2.4 غیر ملکی نژاد (Foreign Origin)

کرنل ٹوڈ، بھنڈارکر اور ایشور پرساد کا خیال ہے کہ وہ غیر ملکی تھے۔اینلز آف راجستھان کے مصنف،ٹوڈ کا خیال ہے کہ راجپوتوں کی ابتدا غیر ملکیوں سے ہوئی۔ وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ وہ یا توشک تھے یا سیتھین تھے۔ ولیم بروک بھی ٹوڈ سے متفق ہیں اور ان کا بھی خیال ہے کہ وہ غیر ملکی نژاد تھے۔

6.2.5 مخلوط النسل (Mixed Race)

وی اے اسمتھ کا خیال ہے کہ راجپوت کچھ قدیم چھتریوں اور کشانوں کی مخلوط نسل تھے۔ان غیر ملکی نسلوں کا ہندوستانی ذات کے لوگوں کے ساتھ اختلاط تھا اور ان سے پیدا ہونے والی اور ہندوستان پر حکومت کرنے والی نسل کو راجپوت کہا جاتا تھا۔ یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ راجپوت مخلوط نژاد تھے اور چوہان ان کی اولاد تھے،اور یہ ہندوستانی تاریخ کا سب سے زیادہ قبول شدہ نظریہ ہے۔

6.3 چوہانوں کا اصل مسکن (Original Home of the Chauhanas)

مختلف تاریخی ذرائع ہیں جو ہمیں چوہانوں کے اصل مسکن (گھر) کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کرتے ہیں۔ اپی گرافک ریکارڈز (کتبوں کے حوالے) اور تاریخی واقعات ہمیں یہ معلومات دیتے ہیں کہ وہ جانگل دیس (بیکانیر کے آس پاس کا علاقہ) میں ابھرے جسے بعد میں سپاد لکش کہا جانے لگا۔ سپاد لکش کا مطلب سوالاکھ گاؤں والا علاقہ ہوتا ہے۔ان کی راجدھانی اہیچھتر پورہ بتائی جاتی ہے،جو مارواڑ میں ناگور علاقہ مانا جاتا ہے۔ روایات بتاتی ہیں کہ وہ شمال کی جانب بڑھے اور توماروں سے دہلی کو حاصل کر لیا جو ایک حقیقت ہے جس کی تصدیق کتباتی شواہد سے بھی ہوتی ہے۔ پرتھوی راج وجیہ نامی تحریر چوہان خاندان کے بانی واسودیو کے دارالحکومت کے بارے میں بتاتی ہے کہ وہ راجستھان میں شاکمبھری (سانبھر کے قریب مشرق میں) میں واقع ہے۔ ہرش کتبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اننت (جے پور،راجستھان میں سیکر کے قریب) چوہانوں کی قدیم راجدھانی تھا۔ یہیں تنترپال اور سمپال نے وگرہ راج دوم کے دادا واکپتی راج پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اور یہیں چوہانوں کے خاندانی دیوتا ہرش کا مندر تھا۔ بجولیا کتبہ سمنت کو اننت سامنت لکھتا ہے جس کی روشنی میں صرف یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ وہ اننت کا سامنت یا حکمراں تھا۔ بجولیا کتبے میں اس کی جڑیں اہیچھتر پورہ میں ہونے کا ذکر بھی کیا گیا ہے جو راجدھانی اننت گوچر (موجودہ ہرشا گیری کے قریب) سے میل نہیں کھاتا۔ مزید برآں پرتھوی راج وجے، ہمیرامہاکاویہ اور سرجناچریت، راجستھان کے پشکر کو چوہان خاندان کی جائے پیدائش بتاتے ہیں۔

ان حوالوں کی بنیاد پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان کا ابتدائی مسکن جنوب میں پشکر اور شمال میں تقریباً ہرش تک پھیلے ہوئے علاقہ میں واقع تھا۔ پیلو، کریر ااور سامی درختوں کی بہتات کی بناپر اسے جانگل دیس کہلانے کا پورا حق ہے۔ ایسے قطعہ زمین کی نباتی خصوصیات کو اس علاقے میں شامل کیا گیا تھا جسے اسکند پر ان کے مطابق شاکمبھر سَپَد لکش کے نام سے جانا جاتا تھا اور منہاج السراج نے اس کا ذکر شیو لیکھ کے طور پر کیا ہے۔ ہرش کتبہ اسے چوہانوں کی سرزمین بتاتا ہے اور بجولیا کتبہ کے مطابق بھی یہ صحیح ہے۔ فی الحال وہاں کوئی اہی چھتر پورہ نہیں ملتا ہے لیکن اس علاقے میں اس کا وجود اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ تاریخی شواہد کی بنیاد پر چوہان حکمران واسودیو کا تعلق سامبھر جھیل کے علاقے سے ہے اور ایک اور بہت ہی ابتدائی حکمران نردیو کو راجستھان کے جودھ پور علاقے کے پورن تال یا پنٹالا میں راج کرنے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اہی چھتر پورہ پنٹالا اور سامبھر کے درمیان کہیں رہا ہو، کم از کم یہ ان سے زیادہ دور نہیں ہو سکتا تھا۔

تصویر 6.1۔ شاکمبھری چوہان کے دور حکومت میں جاری کتبات کے مقامات، بشکریہ-ویکی پیڈیا

6.4 چوہانوں کے ابتدائی خاندان (Early Dynasties of Chauhanas)

- **بھرگو کچا یا بھروچ کے چوہان:** چوہانوں کا سب سے پہلا کتبہ ہنسوت تانبے کے کتبے کے طور پر ملتا ہے جو بھروچ کے چوہانوں کا ہے۔ اس میں بھرترودھ دوم نامی چوہان سامنت (جاگیردار) کا ذکر ہے جو ناگ والوکا (پرتی ہار ناگ بھٹ دوم) کا ماتحت تھا۔ بھرترودھ دوم،

بھروچ (گجرات) کے چوہان خاندان کا لکھا تھا۔ چوہان حکمراں کو کتبے میں راجن کہا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ محض ماتحت سردار تھا۔ خلیفہ ہشام کی ماتحتی میں سندھ کے گورنر جنید (724ءتا743ء) کے دور حکومت میں عربوں کے حملے کے نتیجے میں پرتی ہار اقتدار کمزور ہو گیا جس کی وجہ سے بھر ترودھ دوم نے خود کو آزاد حکمران قرار دے دیا۔ بھر ترودھ دوم کے بعد بھروچ کے چوہانوں کے ساتھ کیا ہوا اس کے بارے میں اب تک دریافت ہونے والے کسی بھی ریکارڈ سے معلومات نہیں ملتیں۔

- **دھول پور کے چوہان:** چوہانوں کا دوسرا ابتدائی کتبہ دھول پور کے چندر مہاسین سے متعلق ہے۔ یہ ایک رحم دل اور روادار حکمراں تھا اور سورج کا ممتاز پجاری تھا۔ اس نے دھول پور سے ملے ہوئے جنگلاتی علاقے میں ایک سورج مندر کی تعمیر کی۔ چندمہاسین، قنوج کے پرتی ہار حکمران بھوج اول کا جاگیر دار تھا۔ شواہد کی نہ ملنے کی وجہ سے ہم چندمہاسین کے جانشینوں کے بارے میں کچھ نہیں جان سکے۔
- **پرتاپ گڑھ کے چوہان:** گھوٹاورسیکا (جدید گھوترسی) کے ایک مندر سے ملنے والے دو کتبات میں ایک شخص کا ذکر ہے جو چوہان مہاسامنت اندرراج تھا جس نے ایک مندر تعمیر کیا تھا جہاں یہ کتبات نصب تھے۔ یہ مندر سورج دیوتا آدتیہ کے لیے تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے جانشینوں کے بارے میں بھی کوئی معلومات نہیں ملتیں۔
- **چندواڑہ کے چوہان:** انورتن پردیپ نامی دستیاب ایک جین تحریر میں جین مذہب کے ایک عظیم سرپرست کے طور پر اہوامل کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کی راجدھانی چندواڑہ ہے جو گہڑوال علاقے میں واقع ہے۔ اہواملا کے پردادا جن کا نام بھرت پال تھا گہڑوالوں کا جاگیر دار تھا۔ اہواملا کو ملیچھوں (غیر ملکیوں) کے خلاف جنگ میں ایک مل یا پہلوان اور ہمیرا کے دل میں خار دار کانٹا قرار دیا گیا ہے۔ اہوامل کی حکومت کے بعد اس خاندان کے ساتھ جو کچھ ہوا اس بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔

6.5 شاکمبھری کے چوہان (Chauhans of Shakambhari)

شاکمبھری یا سانبھر کا چوہان خاندان جو روایتی طور پر سپادلکش یا جانگل دیش کا چوہان خاندان کہلاتا تھا، سب سے اہم چوہان خاندان تھا۔ اس خاندان میں کئی حکمراں گزرے۔

واسودیو: واسودیو اس سلسلہ کا سب سے پہلا معلوم حکمران ہے۔ پرتھوی راج وجے کی داستانوں کے مطابق واسودیو کو ودیادھارا، جس سے اس نے دوستی کی تھی، سے سامبھر کی نمکین جھیل کا تحفہ ملا تھا۔

سمنت: بجولی کتبہ میں اس کا ذکر اننت کے برہمن نواب کے طور پر کیا گیا ہے جو آہچھتر پورہ میں وتسا گوترا میں پیدا ہوا تھا۔

نردیو: نردیو نے پورنتالہ میں حکومت کی جس کی شناخت اس وقت جودھ پور میں گاؤں پنٹالا کے طور پر کی گئی ہے۔

دُرلب راج: اسے اس خاندان کا پہلا عظیم حکمران سمجھا جاتا ہے جس کا ذکر گنگا اور سمندروں کے سنگم پر اپنی تلوار کو غسل دینے اور گوڑ سرزمین کا مالک ہونے کے طور پر کیا جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپنی بادشاہت کو وسعت دی اور اپنی مملکت میں کئی نئے علاقے بھی شامل کیے۔

چندرراج: وہ گوواک دوم کا بیٹا تھا جو تاریخ میں تومر سردار 'رودر' کو قتل کرنے کے لیے جانا جاتا ہے، اس کی ملکہ رودرانی تھیں جسے آتم پربھا بھی

کہا جاتا ہے۔ اسے یہ نام اس کی یوگی طاقت کی وجہ سے ملا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ پشکر میں لنگموں (شیو لنگ) کے سامنے روزانہ 1000 چراغ روشن کرتی تھی۔

واکپتی راج: پرتھوی راج وجیا نے اس حکمران کے سر ایک سو اٹھاسی فتوحات کا سہرا باندھا ہے جو سراسر مبالغہ آرائی معلوم ہوتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ پرتیہار فوج پر فتح حاصل کرنا تھا جس نے اس وقت کے ہمعصر حکمرانوں میں اس کے وقار میں اضافہ کیا۔ ہرسا کتبہ کے مطابق یہ مہاراجا کے طور پر زندگی گزارتا تھا وہ اپنے جانشین سمہاراجا کا بڑا بھائی تھا اس نے دیوتا د شیوا کے لیے پشکر میں ایک مندر تعمیر کیا تھا جو پرتھوی راج سوم کے دور تک وہاں موجود تھا۔

سمہاراج: وہ اپنے بھائی واکپتی راج کی طرح جارحانہ پالیسیوں کے لیے جانا جاتا تھا۔ اس نے تومار سردار سلوانا کو قتل کیا اور اپنی حکومت کو وسعت دی۔

وگرہ راج دوم: اپنے والد سمہاراج کے بعد یہ ان کا جانشین بنا۔ وگرہ راج کو 'شاکمبھری' کے ابتدائی چوہانوں کا سب سے بڑا حکمران سمجھا جاتا ہے اس نے گرجارا حکمران ملاراجا کو کنتھا قلعے میں محصور ہونے پر مجبور کیا اور سے قیدی بنا کر بھر گوکچھا تک لے گیا جہاں اس نے دیوی آساپوری کے لیے مندر تعمیر کیا تھا۔ وہ چوہان حکمرانوں میں سے پہلا تھا جس نے گرجارا حکمران کو شکست دی جس کی وجہ سے چوہان اقتدار اس وقت کے ہمعصر ہندوستان کی ایک مضبوط سیاسی طاقت کے طور پر ابھرا۔

درلبھ راج دوم: اس کا سب سے پہلا حوالہ ہرش کتبہ سے ملتا ہے جہاں اس کا ذکر اس کے بھائی وگرج دوم نے ہے۔ اس کا سب سے سخت دشمن اناہل پٹن (انہلواڑہ) کا چالوکیہ حکمران تھا۔ سکاری کتبہ میں اسے مہاراج ادھیراج کے طور پیش کیا گیا ہے جو اس کے آزاد کردار کو ظاہر کرتا ہے۔

گووندراج سوم: پرتھوی راج وجیا نے اسے یوریگرٹا یا دشمنوں کو ختم کرنے والے (دشمنوں کا صفایا کرنے والا) کا خطاب دیا۔ پربندھ کوسا میں مذکور شجرہ نسب میں ان کا ذکر سلطان محمود غزنوی کے شکست دینے والے کے طور پر کیا ہے۔

واکپتی راج دوم: یہ گووندراج سوم کا بیٹا تھا اور پھر اپنے باپ کی موت کے فوراً بعد ہی اس کا جانشین بنا، وہ چوہان کی تاریخ میں اگھٹہ کے حکمران امباپرساد کے قاتل کے طور پر جانا جاتا ہے جو میواڑ کا دارالحکومت تھا۔

پرتھوی راج اول: یہ وگرہ راج سوم کا بیٹا تھا اور اس کی شادی رسل دیوی سے ہوئی تھی۔ شیخاوتی میں جن ماتا کے سبھامنڈپ کے ستون پر ایک کتبہ پرم بھٹاراک مہاراجا ادھیرج پرمیشور کے نام سے اس کا ذکر کرتا ہے جو بطور حکمران اس کے آزاد کردار کو ظاہر کرتا ہے۔ رنتھمبور کے جین مندر پر سنہری کنول لٹکانے کا سہرا اسی کے سر جاتا ہے۔ اس نے کچھ برہمنوں کی جائیداد ہڑپنے کی سزا دینے کے لیے سات سو چالوکیوں کا قتل کیا۔ یہ عقیدے کے لحاظ سے شیو کا پرستار تھا اور سومناتھ مندر جانے والے لوگوں میں مفت کھانا تقسیم کرتا تھا۔

اجے راج: اجے راج پرتھوی راج اول کا فوری جانشین تھا۔ اسے اجے دیو کے طور بھی جانا جاتا ہے۔ اس نے اونتی کی سرحد پر مالوا کے 'نرور من پرمار' کو شکست دی اور اس کے جرنیل سونل کو زندہ پکڑ لیا۔ اجے راج بعد کی راجدھانی اجمیر کا بانی تھا جو اصلاً اسی کے نام اجے میرو سے موسوم ہے جس کا مطلب اجے کا تالاب ہوتا ہے۔ اس کے سکوں میں نہ صرف حکمران کا نام ہے بلکہ اس کی ملکہ سومل دیوی کا نام بھی ہے۔ اگرچہ وہ شیو

تھا لیکن اس نے جینوں کو اپنے نئے قائم کردہ شہر اجمیر میں جین مندر قائم کرنے کی اجازت دی اور پارشوناتھ کے مندر میں سنہری کلس بھی پیش کیا۔ اس طرح وہ دوسرے مذاہب کے ساتھ روادار تھا اور اپنے تمام شہریوں کو ایک جیسا سمجھنے کی پالیسی کی وجہ سے ایک صحیح حکمراں ثابت ہوا۔ حالانکہ شودروں اور نچلی ذات والوں سے اس کا سلوک بدترین تھا۔

ارنوراج: یہ اجے راج اور سومل دیوی کا بیٹا تھا اور اپنے کئی کارناموں کے لیے جانا جاتا ہے۔ اس نے اجمیر کے قریب ترکوں پر فتح حاصل کی جس کے ذریعے وہ اپنے علاقوں کا دفاع کر سکتا تھا اور انہیں برقرار رکھ سکتا تھا۔ مالوہ کے نرورمن کو شکست دی اور چوہانوں کو دریائے سندھ تک لے گیا اور اپنی حکمرانی میں مزید نئے علاقوں کا اضافہ کیا۔ 'ہریتناک' ملک میں اس کی مہم ایک اور بڑی کامیابی تھی۔

وگرہ راج چہارم: یہ تاریخ میں بیسل دیو کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کے کتبات ایک مندر میں پائے گئے ہیں جسے دشرتھ شرما کے مطابق بعد میں مسلم حکمرانوں نے "آدھے دن کا جھونپڑا" مسجد میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس کا ذکر 'سجنا' نامی اس وقت کے سب سے زیرک حکمران کو شکست دینے کے طور پر کیا گیا ہے۔ اس نے بھدنک، مارواور تکہ ممالک (صحرائے تھار اور جنوب مشرقی پنجاب) کے باشندوں کو بھی شکست دی۔ اس نے توماروں سے دہلی اور ہانسی بھی ہتھیالیا اور چوہانوں اور توماروں کے درمیان طویل جدوجہد بالآخر چوہانوں کے فاتح ہونے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ ایک کامیاب فوجی جرنیل ہونے کے علاوہ وگرہ راج ادب کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ وہ خود ایک اچھا شاعر اور بہترین عمارتی سرگرمیوں کی سرپرستی کرتا تھا جیسا کہ کچھ عمارتوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سوم دیو وگرہ راج چہارم نہ صرف بہادری بلکہ اپنے علم کے لحاظ سے بھی اس وقت کے حکمرانوں میں سب سے آگے تھا۔

پرتھوی راج دوم: پرتھوی راج دوم جگدیوا کا بیٹا تھا جس نے شاکمبھری کے حکمرانوں کو جنگ میں شکست دی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے اپرگ ناگ کو شکست دے کر اجمیر کا تخت حاصل کیا۔ بجولیا کتبہ میں لکھا ہے کہ اس نے ہاتھی منھ سدھیکاری کو حکمران وست پال سے بچایا تھا جسے حکمران وسنت پال کے نام سے جانا جاتا ہے جو اپرگ ناگ کے دادا ہیں۔ وہ اور اس کی ملکہ سدھاوا شیو کے عظیم بھکت تھے جس نے برہمنوں کو بڑی رقم عطیہ کی۔ اس کے عطیہ میں بجولیا میں پارشوناتھ کے جین مندر کی دیکھ بھال کے لیے مورجاری نامی ایک گاؤں بھی شامل تھا جو ہم مندرجہ بالا صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

سومیشور: سومیشور کی ابتدائی زندگی گجرات میں گزری جہاں اس کی دیکھ بھال اس کے دادا جیا سنگھا سدھا راجا نے کی لیکن یہ کمار پال چالوکیہ حکمران تھا جس نے اپنے خاندان سے دشمنی کے باوجود اس کی بہ حفاظت پرورش کی۔ یہ بات سومیشور نے ہمیشہ یاد رکھی اور اس نے چالوکیہ تخت کے تئیں اپنے فرائض خلوص نیت سے بخوبی نبھائے۔ سومیشور کی شادی گجرات میں تریپوری کے حکمران **اچالا** کی بیٹی کارپورا دیوی کے ساتھ ہوئی۔ سومیشور نے پرتاپ لنکیشور کا خطاب اختیار کیا اور اپنے والد کے نام سے ایک قصبہ تعمیر کیا اور وہاں پانچ مندر بھی تعمیر کیے۔ وہ مذہب کے لحاظ سے شیو تھا اور جین مذہب کے لوگوں کے ساتھ رواداری تھا اور ان مناسب احترام کرتا تھا۔ اس نے وندا والی یا بجولی میں پراسونتھا کے جین مندر کو ریوناگاؤں عطیہ کیا۔ بادشاہ نے بیل اور گھوڑ سوار قسم کے کچھ سکے بھی جاری کیے۔ اسکندا اور اس کے بیٹے سودھا سمیت اس کے دو معتبر وزراء کا تعلق گجرات سے تھا اور وہ اس کی حکومت تک گجرات میں حکمران کے ساتھ ہی رہے۔

پرتھوی راج سوم: پرتھوی راج سوم سومیشور اور کارپوردیوی کا بیٹا تھا۔ سومیشور کی موت کے بعد ملکہ نے اپنے بچوں کی دیکھ بھال کی اور ایک بہترین نائب ثابت ہوئی۔ نابالغ بادشاہ کم عمر ہونے کی وجہ سے اس کے دشمنوں کا موقع ملا جنہوں نے اس کی حکومت کی مخالفت کرنے اور اپنے لیے چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کرنے کی کوشش کی۔ ان میں سے ایک ناگ ارجن بھی تھا جس نے گڈاپورہ قصبے کا کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ پرتھوی راج سوم اپنی فوج لے کر قصبے کی طرف بڑھا تو ناگ ارجن بھاگ کھڑا ہوا لیکن اس کا خاندان اور بہت بڑا مال غنیمت پر تھوی راج کے ہاتھ لگ گیا۔ 1181ء میں ہی سلطان معزالدین محمد سام نے جو شہاب الدین غوری کے نام سے مشہور ہے، پنجاب میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور ہندوستان کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ غوری کی اس پالیسی کی وجہ سے پرتھوی راج سوم کے ساتھ اس کا اختلاف ہوا۔ پرتھوی راج نے 1191ء میں ترائن کی پہلی جنگ میں محمد غوری کو شکست دی لیکن 1192ء میں ترائن کی دوسری جنگ میں اسے شکست دینے میں ناکام رہا جہاں شہاب الدین محمد غوری نے پرتھوی راج سوم کو شکست دی اور ہندوستان میں دہلی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

6.5 رنتھمبور کے چوہان (Chauhans of Ranthambore)

گووند: رنتھمبور کے چوہانوں کا بانی پرتھوی راج سوم کا بیٹا گووند تھا۔ ترکوں کے ہاتھوں پرتھوی راج سوم کی شکست کے بعد اس کے وارثوں کو دہلی سلطنت کے ماتحت باجگذار کے طور پر اجمیر میں برقرار رکھا گیا۔ گووند نے قطب الدین ایبک کی اطاعت قبول کی اور خراج پیش کیا۔

ولہن: گووند کے بعد اس کا بیٹا ولہن اس کا جانشین بنا جو دہلی سلاطین کی بالادستی کو تسلیم کرتا رہا جیسا کہ منگلانا پتھر کے کتبے سے واضح ہے۔ ولہنا کے بعد اس کا بیٹا پرہلاد آیا جس نے زیادہ دیر حکومت نہیں کی اور شیر کے شکار کے دوران لگنے والی چوٹوں کی وجہ سے اس کی موت ہو گئی۔

ویرنارائن: ویرانارائن کے تعلقات دہلی کے سلاطین کے ساتھ کشیدہ تھے۔ سلطان التمش نے اس کے خلاف فوج بھیجی جس کے خوف سے وہ اطاعت قبول کرنے پر راضی ہو گیا۔ نتیجتاً اسے تخت پر باقی رکھا گیا۔

واگ بھٹ: واگ بھٹ ویرنارائن کا چچا تھا جسے التمش کی موت کے بعد رنتھمبور پر حکومت کرنے کا موقع ملا۔ کمزور حکمران رکن الدین فیروز کی حکومت کے دوران واگ بھٹ کو سلطنت دہلی سے رنتھمبور واپس لینے کا موقع حاصل ہوا۔ رضیہ سلطانہ کے دور حکومت میں الغ خان (بلبن) کو رنتھمبور واپس لینے کی ذمہ داری دی گئی۔ پہلے حملے کی ناکامی کے بعد دوسرے حملے میں الغ خان کامیاب ہوا اور قلعہ اس کے کنٹرول میں آگیا اور واگ بھٹ کو شکست قبول کرنی پڑی۔

ہمیر: اگلا حکمران جس کے بارے میں ہم سنتے ہیں وہ ہمیر ہے۔ اس نے ارجن نامی مالوا کے حکمران کو شکست دی اور منڈلا کرتا یا منڈل گڑھ کے قلعے سے بہت زیادہ خراج حاصل کیا۔ اس نے دھارا، اجین، چتور، آبو، وردھن پورہ، چنگا، پشکر، چمپا جیسے کچھ مقامات کو فتح کیا۔ یہ تمام فتوحات اس کی فوجی طاقت اور چوہان حکمران کی حیثیت سے اس کی طاقت کو ظاہر کرتی ہیں۔ جب علاءالدین خلجی تخت نشین ہوا تو رنتھمبور پھر اس کی اولین ترجیح بن گیا۔ گجرات مہم کے دوران گجرات کے کچھ باشندے رنتھمبور قلعے میں ہمیرا کے ساتھ شامل ہو گئے تھے جس سے سلطان علاءالدین خلجی مشتعل ہو گیا اور اس نے اپنے دو معتبر جرنیلوں الغ خان اور نصرت خان کو قلعے پر قبضہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ علاءالدین خلجی کے قریب ترین جرنیلوں میں سے ایک نصرت خان قلعے کا محاصرہ کرتے ہوئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا جس کی وجہ سے سلطان خود

رنتھمبور کی طرف بڑھنے پر مجبور ہو گیا۔ کئی مہینوں کے محاصرے کے بعد رائے ہمیرا کو جنگ کرنے پر مجبور کیا گیا اور قلعے کا دفاع کرتے ہوئے وہ جنگ میں اپنی جان گنوا بیٹھا۔

6.6 ناڈول کے چوہان (Chauhanas of Nadaul)

لکشمن: ناڈول کے چوہانوں کا بانی لکشمن (1025ء) تھا جو سمہاراج کا بیٹا تھا اس نے ناڈول میں ایک شیو مندر تعمیر کیا اور اسے اپنے نام پر لکشمن سوامی مندر کا نام دیا۔ اس نے ناڈول کا قلعہ بھی تعمیر کیا۔ روایت کے مطابق اسے ناڈول شہر کی حفاظت کے لیے ناڈول کے برہمنوں نے رکھا تھا اور اس نے یہ ذمہ داری بہت سے فوجیوں کی خدمات حاصل کرکے ادا کی اور شہر کو ملیچھوں سے بچایا جو شہر کے لیے ایک اہم خطرہ بن گئے تھے۔ ملیچھوں کے حملوں نے لکشمن کو ناڈول کے لوگوں کا ہیرو بننے کا موقع دیا جس میں اس نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

شوبھت: لکشمن کے بعد اس کا بیٹا شوبھت آیا جو 'ابو' پہاڑی کے مالک کو شکست دینے کے لیے جانا جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے مالوہ اور ابو دونوں کے پرماروں کو شکست دی۔

اناہل: اناہل کو ناڈول کے چوہانوں کے کامیاب اور قابل حکمرانوں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔ وہ گجرات کے اپنے حریف بھیم دیو دوم کو شکست دینے میں کامیاب رہا جسے اس نے پرتشٹھانا میں شکست دی۔ وہ شاکمبھری پر قبضہ کرنے، بھوج پرمار کے جنرل سادھ کو قتل کرنے اور بعض ترکوں کو شکست دینے کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔ اوجھا کے مطابق جب اناہل تخت نشین ہوا تو اس کی بادشاہت میں صرف سات سو گاؤں شامل تھے لیکن اس کی فوجی طاقت کی وجہ سے یہ تعداد 7000 دیہاتوں تک پہنچ گئی۔ تلوار کی طاقت کو اس وقت کسی بھی چیز سے زیادہ اہمیت دی گئی تھی۔

جیندوراج: جیندوراجا نے اپنے بھائی کی پالیسی کو الٹ دیا جو اس نے گجرات کے ساتھ دوستی اختیار کرکے کی تھی اور خود کو آزاد قرار دیا۔ اس نے جیندیوراجیشور کا مندر تعمیر کیا۔

پرتھوی پال: اس نے اپنے والد کی پالیسی پر عمل کیا اور گجرات کے خلاف بلاوجہ دشمنی کو آگے بڑھایا۔ سُندھا کتبہ کے مطابق اس نے گرجروں کی فوج کو تباہ کر دیا جو کرن کی کمان میں تھی۔ پرتھوی پال نے کسانوں پر عائد ٹیکسوں کو ختم کر دیا اور پرتھوی پالیشور مندر بھی تعمیر کیا۔

آساراج: اسے سدھاراج جے سمہا نے شکست دی اور اپنا جاگیر دار بنالیا۔ آساراجا نے چند لیشور کا مندر تعمیر کیا اور گاؤں پنچاوالی کو ترپوروشا مندر کو عطیہ کیا اور سیکڑوں مفت باورچی خانے، حوض، باغات، شیو دیوتا کے لیے وقف مندر تعمیر کیے۔

رایاپال: رایاپال کو مہاراجادھیراجا پرشمیوار کا خطاب حاصل ہے جو اس کی آزاد حیثیت اور اس کے بہت سے پیشروؤں کے مقابلے اس کی اعلیٰ طاقت کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ دھولپو میں پولیس کا نظام قائم کرنے کے لیے جانا جاتا ہے جہاں اس کے شہریوں نے افرادی قوت فراہم کی اور اس نے اسلحہ فراہم کیا۔ اس نے دیوتاؤں پدملشور، شنپا لیشور اور سہیاپالیشور کا نام اپنی ملکہ پدمالہ اور دو بیٹوں کے نام پر رکھا۔

الہانا: اگرچہ اس نے ناڈول کے حکمران ہونے کا دعویٰ کیا تھا لیکن وہ تین قصبوں کیراتاکاپا، رتاہردہ اور سیوا سے حکومت کرتا رہا۔ چالوکیہ ؤں سے وابستگی کی وجہ سے اسے ارنوراجا نے اسے ناڈول سے دور کر دیا تھا۔ اس نے ناڈول میں شیو مندر کی تعمیر کی اور ناڈول میں جینوں کے مہاویر

مندر کو ماہانہ خراج عطیات بھی دیے اور جین جذبات کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں کو ذبح نہ کرنے کا اعلان کیا۔

6.7 جالور کے چوہان (Chauhanas of Jalor)

جالور کے چوہان خاندان کی بنیاد **کیرتی پال** نے رکھی تھی۔ اس وقت میواڑ کے حکمران کا نام سمنت سمہا تھا۔ اس نے اپنی ناشائستہ پالیسیوں کے ذریعے بہت سے دشمن بنا لیے تھے جس سے کیرتی پال کو بھی موقع ملا اور اس نے میواڑ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس جنگ میں چالوکیوں نے بھی اس کی مدد کی لیکن آخری وقت میں چالوکیوں نے اپنی وفاداریاں تبدیل کر دیں جس سے کیرتی پال چالوکیوں کا دشمن بن گیا۔ اس کی چالوکیہ مخالف پالیسی پر اس کے جانشینوں نے بھی عمل کیا۔

سمار سمہا: سندھی کتبہ میں سمار سمہا کو عمارتوں کا بانی قرار دیا گیا ہے۔ اس کا میلان ادب کی طرف تھا۔ وہ عالم اور سخی افراد کے ساتھ دوستی رکھتا تھا۔ اس نے بہت سے تلادان (عطیات کی ایک قسم، جہاں عطیہ دینے والے کے وزن کے برابر عطیہ ادا کیا جاتا تھا) دیے اور کنکا چلات، جالور پر وسیع فصیل تعمیر کی یہ ودھدیاداری قسم کی کئی ساز وسامان، گوداموں اور جنگی اسلحہ سے لیس تھی۔

ادے سمہا: وہ سب سے طویل حکمران میں سے ایک ہے جس نے 52 سال حکومت کی۔ ایسا لگتا ہے کہ ادے سمہا کسی وقت دہلی کے سلاطین کا جاگیر دار تھا، لیکن انہوں نے خراج پیش کرنے سے انکار کر دیا۔ فطری طور پر ان کے اس باغیانہ رویے نے ایک جنگ کو دعوت دی جو 1211-1216 عیسوی کے دوران کسی وقت لڑی گئی۔ اس جنگ کو عہد وسطیٰ کی تاریخوں میں بیان کیا گیا ہے، جیسے نظامی کی تیرہویں صدی کے تاج المعاصر (جس میں جالور کے ادے سمہا کا ذکر "جالور کا اودے شاہ" کے طور پر کیا گیا ہے)، اور سولہویں صدی کی تاریخ فرشتہ (جو اسے "جالور کا اودے شاہ یا جاولی پورہ کا اودی شاہ" کہتا ہے)۔ فرشتہ بیان کرتا ہے کہ جب ادے سمہا نے خراج کی ادائیگی بند کر دی تو دہلی کے سلطان التمش نے جالور پر چڑھائی کی۔ حسن نظامی نے ذکر کیا ہے کہ اس فوج میں رکن الدین حمزہ، عزالدین بختیار، ناصر الدین مردان شاہ، ناصر الدین علی اور بدر الدین ساؤر تیگن جیسے ممتاز جرنیل شامل تھے۔ ادے سمہا نے جالور قلعے میں پناہ لی لیکن جیسے ہی قلعے کی کچھ فصیلیں مسمار گرائی گئیں تو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ سلطان نے 100 اونٹوں اور 20 گھوڑوں کے خراج پیش کرنے کے بدلے ہتھیار ڈالنے کو قبول کیا اور پھر دہلی واپس آ گیا۔ نر بھیا بھیمو یو یوگا کے **متن میں** کہا گیا ہے کہ اس نے جاولی پورہ میں دو شیو مندروں کا کام شروع کیا۔ یہ کتاب اس کے دور حکومت میں مدون کی گئی تھی۔

چاچگادیو: ایسا لگتا ہے کہ چاچگادیو نے خود مختار حیثیت اور اپنے والد سے وراثت میں ملنے والے علاقے کو برقرار رکھا تھا۔ سندھاہل کے کتبے میں اسے شاعرانہ طور پر بیان کیا گیا ہے کہ " گرجتے ہوئے گرجارا بھگوان ورام کو تباہ کرنا، دشمن سالیا کو پریشان کرنا، ملتے ہوئے (یا چھلانگ لگاتے ہوئے) پٹاکا (Pātaka) میں انتہائی خوشی محسوس کرنا، اس کے رنگ سنگا سے محروم کرنا اور پہاڑ پر گرجنا۔ غضب ناک نہارا"۔ ورام، واگھیلا شہزادہ ورام دیو ہو سکتا ہے جس کی شادی چاچگادیو کی بہن سے ہوئی تھی۔ ورام اور اس کا بھائی وسلادیو دونوں اپنے والد کی موت کے بعد واگھیلا تخت چاہتے تھے۔ واگھیلا کے وزیر واستوپال نے وسلا کی حمایت کی جس کی وجہ سے ورام کو واگھیلا سلطنت سے فرار ہونے پر مجبور ہونا پڑا۔ ورام

نے اپنے سسر الی رشتے داروں کے پاس پناہ لی لیکن چوہان واگھیلوں کے ساتھ اچھے تعلقات برقرار رکھنا چاہتے تھے۔اس لیے چاچگادیو نے دھوکہ دہی سے ورام کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ شاید اس وقت پیش آیا جب چاچگادیوا بھی تک شہزادہ تھا۔ سالیہ غالبا سالہا تھا جو سنچور کی چوہان شاخ کا حکمران اور چاچگادیو کا دور کا رشتے دار تھا۔ان کے چوتھی نسل کے آباؤاجداد کرتی پال اور وجے سمہا بھائی تھے۔اسنگرے کے بارے میں جانا جاتاہے کہ اس پر چاچگادیوا کے والد ادے سمہا کا کنٹرول تھا۔یہ ممکن ہے کہ سلہا نے اپنی خود مختاری کا دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہو، جس کی وجہ سے وہ اور چاچگادیو دشمن بن گئے۔ دوسری جانب بھنڈار کرنے پتوکا کی شناخت ابو کے پرتاپا سمہا کے طور پر کی ہے جس کی شناخت چاچگادیو (ادے سمہا کے بھائی مناوسمہا کا بیٹا) کے رشتے دار کے طور پر ہوئی ہے۔ بھنڈار کرنے ونتھالی کے ایک حکمران سنگا سنگنا کی شناخت بطور بھنڈار کر کی۔دشر تھا شرما اس نظریے کی مخالفت کرتے ہوئے دلیل دیتے ہیں کہ سنگنا کی موت کے وقت چاچگادیوا ایک بچہ تھا۔شرما کے مطابق نہارا شاید ایک مسلمان جنرل تھا۔سندھا ہل کے کتبے میں کہا گیا ہے کہ چاچگادیو نے شری مالا میں کچھ محصول معاف کر دیے۔راماسینیا (جدید رام سین) میں اس نے دیوتا وگرادتیہ کے مندر کے لیے چندہ دیا۔

سمنتا سمہا: یہ چوہان خاندان کا ایک ہندوستانی بادشاہ تھا جس نے جاولی پورہ (موجودہ جالور) کے آس پاس کے علاقے پر حکومت کی۔ابتدائی طور پر اس نے اپنے والد سمنتا سمہا کے ساتھ مشترکہ طور پر انتظامیہ چلائی اور سلطنت دہلی سے حملوں کو روکنے میں مدد کی۔کنہڑ پر بندھا اور نینسی کے خیات بھی کنہڑ دیو کو دہلی سلطانوں کی فوج کی بے حرمتی سے سومناتھ مندر کی مورتی کو بچانے کا سہرا دیتے ہیں۔یہ دعویٰ شری دھرویاس کے رنمل چھنڈا (1408-1411) میں بھی ہوتا ہے۔ان تحریروں کے مطابق کنہڑ دیو کی فوج نے متعدد قیدیوں کو آزاد کرایا اور سومناتھ کی مورتی برآمد کی جسے بے حرمتی کے لیے دہلی لے جایا جا رہا تھا۔ نینسی کے خیات کا مزید دعویٰ ہے کہ مموشاہ (محمد شاہ) اور اس کے بھائی گبرو، جنہوں نے دہلی کے جرنیلوں کے خلاف بغاوت کی تھی، کنہڑ دیو کے ساتھ پناہ لی۔تاہم کنہڑ دیو نے ان کے گائے کے قتل (جو مقدس سمجھے جاتے ہیں) کو ناپسند کیا۔اس لیے دونوں باغیوں نے جالور چھوڑ دیا اور رنتھمبور کے ہمیرادیوا سے پناہ مانگی۔

6.8 چوہانوں کے تحت ثقافت اور تہذیب (Culture and Civilisation under the Chauhans)

6.8.1 بادشاہت کی نوعیت (Nature of Kingship)

راجپوت دور میں بادشاہت وہ مروجہ نظام تھا جہاں بادشاہ خود مختار تھا۔ ریاست کے تمام اختیارات اس کے پاس تھے لیکن ہندوستان میں عمومی طور پر بادشاہ مخیر نوعیت کے تھے اور زیادہ تر سرپرستانہ مطلق العنانیت کی پیروی کی جاتی تھی۔انہوں نے مختلف ذاتوں اور مسلک کے لوگوں کے ساتھ مساوات و رواداری کا سلوک کیا اور اپنے لوگوں کے ساتھ اس وقت کے منوسمروتی پر مبنی قوانین کے مطابق برتاؤ کیا۔ اس دور میں لوگوں کا خیال تھا کہ بادشاہ زمین پر خدا کا نمائندہ ہے۔ بادشاہ خود کو زمین پر خدا کا سایہ سمجھتے تھے۔اس وقت جاگیردارانہ نظام تھا یا جاگیرداری کا نظام رائج تھا۔ جاگیردارانہ ادارے اور حقوق موروثی تھے۔ جاگیرداروں کا تقرران کی اعلیٰ ذات اور طبقے کی بنیاد پر کیا جاتا تھا۔

صوبائی انتظامیہ: - پوری انتظامیہ کو آسانی اور موثر طریقے سے چلانے کے لیے ریاستوں کو بھوکتیوں میں تقسیم کیا گیا اور اس کے منتظم کو

اُپارِک کہا گیا۔ بھوکت اضلاع میں تقسیم تھے۔ ضلع کو دیہات میں تقسیم کیا گیا۔ دیہات کے انچارج افسر کو گرامینی کے نام سے جانا جاتا تھا۔ گاؤں، انتظامیہ کی بنیادی اور سب سے چھوٹی اکائی تھی۔

6.8.2 فوج (Army)

فوج کا نظام ایک پرانے طریقہ کار اور انداز پر مبنی تھا۔ بادشاہ کا دار و مدار جاگیرداروں یا امرا کی فوج پر تھا۔ اگرچہ بادشاہ اور سپاہی بہت بہادر تھے لیکن ان کی مناسب اور باقاعدہ تربیت کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا: پیدل فوج، ہاتھی اور گھوڑ سوار۔ فوج پر دھیان زیادہ دیا جاتا تھا چونکہ ایک حکمران کو پڑوسیوں کے ساتھ لڑنا پڑتا تھا۔

6.8.3 آمدنی (Income)

جرائم پر جرمانہ، تجارت، کاروبار اور صنعتوں پر محصول ریاست کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اراضی محصول ریاست کے لیے آمدنی کا بنیادی ذریعہ بنا۔ جاگیرداروں نے بادشاہ کو خراج کے طور پر سالانہ محصول اور تحائف بھی ادا کیے۔ ریاست کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ جنگوں اور فوجی طاقت پر خرچ کیا گیا اگرچہ سب تباہی کا باعث بنے۔

چوہان حکمران وگرہ راج چہارم کا سکہ

6.8.4 سماجی زندگی (Social Life)

ویدک دور میں ورن نظام صرف چار حصوں میں تقسیم تھا اور جلد ہی یہ کہیں زیادہ پیچیدہ ہو گیا اور اس میں جاتیوں کی پیدائش ہوئی۔ بعدازاں اب تک بھی جاتیوں یا ذاتوں کی تعداد مزید بڑھ رہی ہے۔ چوہانوں کے وقت نئی ذاتیں ابھری تھیں اور بہت ساری ذیلی ذاتیں بھی موجود تھیں۔ دشرتھ شرما کے خیال کے مطابق نئی ذاتوں کی بنیاد صوبائی حدود، صنعتیں اور پیشے تھے۔ پیشوں کی بنیاد پر اس دور میں کائستھوں جیسی نئی ذاتیں وجود میں آئی تھیں جن کے معنی مصنفین یا منشی تھے۔

راجپوت خواتین نے انفرادی اور اجتماعی طور پر جوہر رواج اختیار کیا تھا۔ خاص طور پر فوجیوں کے بڑے پیمانے پر قتل ہونے کی کی صورت میں، یا اگر بادشاہ کے قتل یا گرفتار ہونے کی صورت میں، اور جب بھی فتح کی کوئی امید نہیں ہوتی راجپوت خواتین اپنی ستتوا (عزت) کی حفاظت کے لیے اجتماعی یا انفرادی طور پر خود کو جلا لیتیں۔ خواتین کا اصولی طور پر احترام کیا جاتا تھا لیکن عملی زندگی میں ذلیل کیا جاتا تھا۔ خواتین کے کردار کو بہت اعلیٰ مقام دیا گیا، جہاں راجپوت دور میں کردار ایک عورت کے جسم پر مرکوز تھا۔ شوہر سے عقیدت ان کی زندگی کا

حتمی مقصد تھا۔اس دور میں بہت سی خواتین دانشوروں نظر آتی ہیں۔یہ اندر لیکھا، موریکا، سبھدرااور پدم شری تھیں جنھوں نے ادب میں خوب نام کمایا۔ خواتین موسیقی، رقص اور مصوری کی ماہر تھیں جن کے لیے انہیں بنیادی طور پر تربیت دی گئی تھی۔پردے کا نظام قائم تھا لیکن دشرتھ شرما کا خیال ہے کہ یہ نظام غالب نہیں ہوااس کے علاوہ تعدد ازدواج، بچپن کی شادی اور ستی نظام جیسے خواتین مخالف مسائل موجود تھے نیز راجپوت دور میں ہندو مذہب بڑی حد تک رائج تھا۔

کمارل بھٹ، شنکراچاریہ اور رامانج جیسے بہت سے دانشوروں اور اصلاح پسندوں نے ہندو مذہب کو توزندہ کیااور دوبارہ منظم کیا لیکن سماج کو نہیں۔ان میں سے کچھ نے ہندو مذہب کو عام لوگوں کے لیے آسان بنایااور یہ شیو اور ویشنو فرقے کی شکل میں سامنے آیا۔یہ دونوں بڑی حد تک الگ الگ تھے اور اپنے اندر بہت سے ذیلی طبقات رکھتے تھے۔اسی دور میں بدھ مذہب اور جین مذہب کا زوال بھی دیکھا گیا۔

6.8.5 تعلیم (Education)

مذہب پر مبنی تعلیم کا قدیم نظام رائج تھا۔یہ تمام لوگوں کے لیے دستیاب نہیں تھا یہ صرف مراعات یافتہ ذاتوں کے لیے ہی تھا۔ باقی آبادی اس سے محروم تھی اور ممنوعہ طبقے کے لیے تعلیم کے بارے میں سوچنا بھی ایک جرم سمجھا جاتا تھا۔اس نظام کے مطابق گروکل، باؤدھا، جین، شیو اور ویشنو مذہبی مراکز بھی تعلیمی مراکز تھے۔نالندہ اور وکرم شیلا یونیورسٹیاں زوال کا شکار ہو رہی تھیں لیکن پال حکمرانوں نے اس کی تنظیم نو پر بہت توجہ دی۔ بہار میں اودنت پوری، بنگال میں سومپوری، وکرم پور (مشرقی بنگال)، جگدل پور (شمالی بنگال) پال دور میں تعلیم کے مشہور مراکز تھے۔اجین، کاشی اور متھرا سنسکرت کی تعلیم کے لیے مشہور تھے۔اس دور میں بہت سی زبانیں خصوصاً سنسکرت نے ترقی کی۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں شور سینی، مگدھی، اپ بھرنش، بنگالی، گجراتی، مراٹھی، تامل، تلگو، ملیالم، کنڑ اور راجستھانی جیسی بہت سی علاقائی زبانیں بھی موجود تھیں۔چوہان بادشاہوں میں سے کچھ نے ادیبوں اور مصنفین کی سرپرستی کی اور انعامات دیے۔

6.8.6 مصوری اور مجسمہ سازی (Painting and Sculptre)

اگرچہ اس دور کی بہت سی پینٹنگز ضائع ہو چکی ہیں لیکن عصری ادب اس کے اعلیٰ درجے کے معیار کی نشاندہی کرتا ہے۔ مندر کی دیواروں پر پرندوں، جانوروں، پھولوں، درختوں اور رینگنے والوں کی پینٹنگ ادھر اُدھر پائی جاتی ہیں، اس دور میں پینٹنگ اسٹوڈیوز موجود تھے۔اس دور میں مجسمہ سازی کو بہت زیادہ فروغ حاصل ہوا۔بت مٹی، پتھر اور دھات سے بنے تھے۔درگا، شیو، وشنو، سوریہ، گنیش، چنڈی، کالی، سرسوتی، کامتورا کچھ دیوتااور دیویاں تھیں جن کی مورتیوں کو مندروں میں پوجا کے لیے ڈھالا گیا تھا۔ایلیفینٹا غار میں شیو کا بت اس دور کا بہترین نمونہ ہے۔

6.8.7 موسیقی (Music)

گانا، مختلف موسیقی کے آلات بجانااور رقص اس دور میں فروغ پایا۔ موسیقی لوگوں کے تمام طبقات کے لیے تفریح کا بہترین طریقہ

تھا۔ چوہان بادشاہوں نے موسیقی کو پسند کیا اور اوراس کی محفلیں سجائیں۔

6.9 چوہانوں کا زوال (Decline of the Chauhans)

ترک افواج کے ہاتھوں تقریبا 15 سال کی مختصر مدت کے اندر شمالی ہندوستان کی سرکردہ ریاستوں کی شکست کی بھی کچھ وضاحت کی ضرورت ہے۔ یہ بات ایک اندازہ کے طور پر بیان کی جاسکتی ہے کہ کسی ملک کو دوسرے ملک نے صرف اس وقت فتح کیا جب وہ سماجی اور سیاسی کمزوریوں کا شکار ہو، یا اپنے ہمسایوں کے مقابلے میں معاشی اور فوجی طور پر پسماندہ ہو جائے۔ جیسا کہ دشرتھ شرما نے کہا، 'حالیہ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ترکوں کے پاس ہندوستانیوں کے مقابلے میں کوئی بہتر ہتھیار نہیں تھے۔ لوہے کا رکاب جس نے یورپ میں جنگ کا طریقہ بدل دیا تھا وہ آٹھویں صدی کے بعد سے ہی سے ہندوستان میں پھیل گیا تھا'۔ ترک کمانیں زیادہ فاصلے تک تیر چلا سکتی تھیں لیکن ہندوستانی کمانوں کو زیادہ درست اور زیادہ مہلک سمجھا جاتا تھا، تیروں کے سروں کو عام طور پر زہر میں ڈبویا جاتا تھا۔ دوبدو لڑائی کے لیے ہندوستانی تلواروں کو دنیا میں بہترین سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستانیوں کو ہاتھیوں کا فائدہ بھی حاصل تھا۔ ترکوں کے پاس گھوڑے تھے جو ہندوستان میں درآمد کیے جانے والے گھوڑوں سے زیادہ تیز اور مضبوط تھے۔

ہندوستانیوں کی کمزوری سماجی تنظیم تھی، جاگیرداری کے فروغ یعنی مقامی زمینی عناصر اور سرداروں کے عروج نے چوہان ریاستوں کے انتظامی ڈھانچے اور فوجی تنظیم کو کمزور کر دیا تھا۔ حکمرانوں کو ان مختلف سرداروں پر زیادہ انحصار کرنا پڑتا تھا جو شاذ و نادر ہی ہم آہنگی سے کام کرتے تھے اور جنگ کے بعد تیزی سے اپنے علاقوں میں منتشر ہو جاتے تھے۔ دوسری طرف ترکوں کے قبائلی ڈھانچے اور اقطاع اور خالصہ نظام کی ترقی نے ترکوں کو بڑی بڑی کھڑی فوجوں کو برقرار رکھنے کے قابل بنایا جو طویل عرصے تک میدان میں رکھی جا سکیں۔ اس کے علاوہ چوہان گھڑ سواروں کے ایک منظم ادارے کے طور پر حرکت کرنے کے عادی نہیں تھے جو طویل فاصلے طے کر سکتا تھا اور لڑ سکتا تھا اور داؤ پیچ کر سکتا تھا۔ اور نہ ہی ایسا لگتا ہے کہ راجپوتوں کے پاس سوار تیر اندازوں یا بھاری ہتھیاروں سے لیس گھڑ سواروں کے بڑے دستے تھے۔ اس کے علاوہ حکمران اپنے پڑوسیوں کے ساتھ لڑتے رہے۔ اگر یہ عوامل نہ ہوتے تو راجپوت ریاستوں کو جن میں سے اکثر کے پاس غزنوی اور غوری سلطنتوں سے زیادہ انسانی اور جسمانی وسائل تھے، شکست سے دوچار نہ ہونا پڑتا یا اگر وہ کسی جنگ میں شکست کھا جاتے تو سنبھل جانے میں کامیاب ہو جاتے۔ ترکوں کے سماجی اور تنظیمی ڈھانچے نے بھی انہیں بہت سے فوائد دیے۔ مغربی ایشیا میں آہستہ آہستہ بڑھنے والے اقتا نظام کا مطلب یہ تھا کہ ایک ترک سربراہ کو ایک زمین کا ایک ٹکڑا، اقطاع کے طور پر مختص کیا گیا تھا جہاں سے وہ ریاست کی وجہ سے زمین کی آمدنی اور محصول وصول کر سکتا تھا۔ اس کے بدلے میں اسے حکمران کی خدمت کے لیے فوجیوں کا ایک دستہ برقرار رکھنا پڑا۔ یہ عطیہ موروثی نہیں تھا اور اسے سلطان کی خوشی کے تابع رکھا گیا تھا جو اسے کسی بھی جگہ منتقل کر سکتا تھا۔ سلطان نے براہ راست زمین کے ٹکڑوں سے آمدنی حاصل کی جسے خالصہ کہا جاتا تھا۔ اس سے وہ ایک بڑی کھڑی فوج کو برقرار رکھنے کے قابل ہوا۔ جبکہ ہندوستان کی طرح مغربی ایشیا میں ریاستیں عروج اور زوال پذیر ہوا کرتی تھیں۔ مغربی ایشیا میں راجپوت ریاستوں کے برعکس، ہر ریاست میں مسلح افواج زیادہ مرکزیت کی حامل تھیں۔

ترک افسروں میں سے بہت سے غلام تھے جن کو جنگ کی تربیت دی گئی تھی اور وہ سلطان کی ماتحتی میں ترقی کر چکے تھے اور جن پر سلطان مکمل بھروسہ کر سکتا تھا۔ ذاتی بہادری کے لحاظ سے راجپوت کسی بھی طرح ترکوں سے کم تر نہیں تھے۔ اس تناظر میں فوجی تنظیم میں مذہب اور ذات پات کے کردار کو غیر ضروری طور پر بڑھا چڑھا کر پیش نہیں کیا جانا چاہئے۔ ترک جہاں غازیوں کے جذبے سے رنگے ہوئے تھے وہیں راجپوت جنگ میں پسپائی کو بے عزتی سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ ذات پات نے غیر راجپوتوں یا کوورن (نچلی ذاتوں) کو لڑائیوں میں حصہ لینے سے نہیں روکا تاکہ راجپوت فوجیں ترکوں کے میدان میں اترنے والوں کے مقابلے تعداد میں بڑی ہوں۔

راجپوتوں نے حوصلہ افزا اور طویل مزاحمت ضرور کی اور کئی بار ترکوں کو شکست بھی دی، لیکن راجپوتوں میں جس چیز کی کمی تھی جسے 'ڈسپلن' اور نظم وضبط کی تربیت کہا جا سکتا ہے۔ ایک بار جب ہندوستان کے بیرونی گڑھ کابل اور لاہور ترکوں کے ہاتھوں میں چلے گئے تو راجپوتوں کی جانب سے ان کی بازیابی کی کوئی ٹھوس کوشش نہیں کی گئی نہ ہی غزنویوں کو پنجاب سے باہر دھکیلنے کی بہت کم کوشش کی گئی۔ راجپوتوں کی نگاہیں ہندوستان پر جمی رہیں اور انہوں نے باہر کی پیش رفت پر بہت کم توجہ دی، خاص طور پر وسطی ایشیا پر جس نے اکثر ہندوستان کی تاریخ کی تشکیل میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

6.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

شمالی ہند کی سیاست میں چوہان خاندان کا اہم کردار ہے۔ چوہان کئی خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے لیکن ان میں سب سے اہم شاکمبھری یا سانبھر اور بعد میں اجمیر کے چوہان تھے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ناگور کے کسی علاقے میں رہتے تھے اور بعد میں انہوں سانبھر کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ وہ پرتی ہار سلطنت کے باجگذار تھے اور ان کے لیے دشمنوں سے لڑتے تھے۔ پرتی ہار سلطنت کی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور اپنی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ شاکمبھری کے بعد رنتھمبھور اور جالور کے چوہان خاندان ان کے وارثین کے طور پر سامنے آئے۔ ترائن کی جنگوں میں سانبھر کے شاکمبھری چوہان خاندان کا خاتمہ ہو گیا اور اس کا آخری حکمراں پرتھوی راج سوم، شہاب الدین غوری سے لڑتے ہوئے مارا گیا۔ بعد میں رنتھمبھور اور جالور بھی دہلی سلطانوں کے ذریعے فتح کر لیے گئے۔ چوہانوں کے عہد میں جاگیر دارانہ نظام اور ثقافت کو عروج حاصل ہوا۔ باضابطہ فوج کا زمانہ تو گپت اور ہرش سلطنت کے دور کے بعد ہی ختم ہو گیا لیکن بھاڑے کے فوجیوں کا جتنا چلن اس دور میں تھا اتنا کسی اور دور میں نہیں تھا۔ زمین کے عطیات پر مبنی چوہانوں کی غیر مرکزی ریاست ایک ہی بیرونی حملے سے چرمرا کر ڈھے گئی۔

6.11 فرہنگ (Glossary)

سپاد لکش	سوا لاکھ گاؤں والا علاقہ
اہی چھتر پورہ	مارواڑ میں ناگور کا علاقہ
شاکمبھری	راجستھان میں سانبھر جھیل کا علاقہ

میرو	تالاب
ملّ	پہلوان
تاج المعاصر	بارہویں صدی میں لکھی گئی حسن نظامی کی کتاب
تاریخ فرشتہ	محمد قاسم بن ہندو شاہ استر ابادی کی سترہویں صدی کی تصنیف
کاویا	ایک انتہائی مصنوعی ادبی طرز ہے جو عیسوی دور کی ابتدائی صدیوں سے ہمارے ملک کے درباری رزمیہ میں اپنایا جاتا ہے۔ اس میں تقریر کا ایک مخصوص انداز ہے اور تحریر کے شاعرانہ اجزاء پائے جاتے ہیں۔
اپی گرافک	کتبوں سے متعلق
تلادان	عطیات کی ایک قسم، جہاں عطیہ دینے والے کے وزن کے برابر عطیہ ادا کیا جاتا تھا

6.12.1 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. پرتھوی راج سوم (چوہان) نے 1191ء میں ترائن کی پہلی جنگ میں کس کو شکست دی؟

(الف) قطب الدین ایبک (ب) محمود غزنوی (ج) شہاب الدین محمد غوری (د) التمش

2. کس چوہان حکمراں (بیسل دیو) کے تعمیر کردہ مندر کو بعد میں 'اڑھائی دن کا جھونپڑا' مسجد میں تبدیل کیا گیا؟

(الف) پرتھوی راج اول (ب) اجے راج (ج) وگرہ راج چہارم (د) پرتھوی راج سوم

3. اجمیر (اجے میرو) شہر کا بانی کون سا چوہان حکمراں تھا؟

(الف) واسودیو (ب) واکپتی راج (ج) اجے راج (د) ارنوراج

4. رنتھمبور کے کس چوہان حکمراں نے علاء الدین خلجی کی فوج کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان دی؟

(الف) گووند (ب) ولہن (ج) واگ بھٹ (د) ہمیر

5. 'کنہڑپربندھا' کے مطابق، جالور کے کس حکمراں نے دہلی سلطنت کی فوج سے سومناتھ کی مورتی کو بچایا تھا؟

(الف) کیرتی پال (ب) سمار سمہا (ج) ادے سمہا (د) کنہڑدیو

6.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. چوہانوں کے آغاز پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔
2. چوہانوں کی ابتدائی سلطنتوں کو بیان کیجیے۔
3. جوہر رسم ورواج کی وضاحت کریں۔

6.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. چوہانوں کی آغاز وابتدا کے نظریات بیان کیجیے۔
2. چوہانوں کے تحت ثقافت اور تہذیب کی وضاحت کریں۔

اکائی 7۔ سماج اور ثقافت

(Society and Culture)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 سماج

7.2.1 عوام کا طرز زندگی

7.2.2 ذات پات کا نظام

7.2.3 عورتوں کی حیثیت

7.2.4 لباس، کھانا، زیورات

7.2.5 تعلیم، سائنس اور علم

7.3 ادب اور فنونِ لطیفہ

7.3.1 سنسکرت ادب

7.3.2 عربی فارسی ادب

7.3.3 علاقائی زبانیں

7.3.4 فنون لطیفہ

7.4 اکتسابی نتائج

7.5 فرہنگ

7.6 نمونہ امتحانی سوالات

7.0 تمہید (Introduction)

اگرچہ ہم نے ابھی تک ہندوستان میں 1000 سے 1200 تک کی سیاسی نشو و نما کا مطالعہ نہیں کیا ہے، تو بھی، اقتصادی سماجی اور مذہبی زندگی کے مطالعے کے لیے 800 سے 1200 تک کے عہد کو ایک مانا جا سکتا ہے۔ سیاسی زندگی کے مقابلے میں اقتصادی اور سماجی زندگی نیز تصورات اور اعتقادات میں کافی سست رفتاری سے تبدیلی آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سی ابتدائی خصوصیات جو کہ نویں صدی سے پہلے موجود تھیں وہ اس عہد میں بھی برقرار رہیں۔ لیکن متعدد نئے عوامل کے شامل ہو جانے کی وجہ سے اس عہد کی اپنی الگ خصوصیات پیدا ہو گئیں۔ یہ ایک عام بات ہے کہ ہر تاریخی دور میں نئے عوامل کے ساتھ ساتھ پرانے عوامل بھی موجود رہتے ہیں۔ البتہ تبدیلی کی رفتار اور سمت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- آٹھویں سے بارہویں صدی تک کے عہد کے سماج سے واقف ہو سکیں گے۔
- اس عہد میں عوام کی حالت اور ذات پات کے نظام کے بارے میں سمجھ سکیں گے۔
- اس عہد میں عورتوں کی حالت اور طرز رہائش پر روشنی ڈال سکیں گے۔
- اس عہد میں تعلیم سائنس اور علوم کی ترقی کا جائزہ لے سکیں گے۔
- اس عہد کی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کے بارے میں جان سکیں گے۔

7.2 سماج (Society)

اس عہد میں ہندوستانی سماج میں کئی اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ ان میں سے ایک تبدیلی ان لوگوں کے ایک طبقے کی بڑھتی ہوئی طاقت تھی، جنہیں اس عہد کے مصنفین نے سامنت، رنک، روت (راجپوت) جیسے ناموں سے ذکر کیا ہے۔ ان کی ابتداء مختلف طریقوں سے ہوئی تھی، ان میں سے کچھ تو ایسے سرکاری افسر تھے جنہیں نقد تنخواہ کی بجائے گاؤں دیے جاتے تھے جن سے وہ محصول حاصل کیا کرتے تھے۔ دوسرے مفتوح راجا اور ان کے حامی تھے جنہیں محدود علاقوں سے مالیانہ حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ کچھ دوسرے لوگ موروثی مقامی سردار یا جاں باز فوجی تھے جنہوں نے کچھ مسلم حامیوں کی مدد سے اپنے اختیارات کے علاقے قائم کر لیے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی تھے جو قبیلوں یا خاندانوں کے سردار تھے۔ ان لوگوں کی حقیقی پوزیشن ایک دوسرے سے کافی مختلف تھی۔ ان میں سے کچھ تو محض گاؤں کے مکھیا تھے جن میں سے کچھ کا تو دائرہ اختیار کئی گاؤں پر مشتمل علاقوں تک پھیلا ہوا ہوتا تھا جبکہ ان میں سے کچھ کا تو پورے علاقے پر ہی تسلط ہوتا تھا۔ یہ ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور اپنے اختیار اور مراعات کے حلقے کو وسیع کرنے کی کوشش میں رہتے

تھے۔

حکمراں کی طرف سے اپنے افسروں اور حامیوں کو آمدنی کی وصولی (بھوگ یا جاگیر) کا جو کام سونپا جاتا تھا وہ نظریاتی اعتبار سے عارضی ہوتا تھا جسے حکمراں اپنی مرضی سے واپس بھی لے سکتا تھا لیکن ایسا بہت کم ہوتا تھا اور اس کی نوبت عام طور پر کھلی بغاوت یا غداری کے بعد ہی آتی تھی۔ موجودہ خیال یہ ہے کہ کسی شکست خوردہ حکمراں کو بھی اس کی زمینوں سے بے دخل کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ نتیجے کے طور پر اس عہد کی سلطنتوں میں وہ بڑے علاقے بھی شامل ہوتے تھے جو کہ شکست خوردہ اور ماتحت حکمرانوں کے زیر تسلط ہوتے تھے جو کہ اپنی آزادی پر زور دینے کی مسلسل کوشش کرتے تھے۔ پھر یہ کہ ان حکمرانوں کے علاقوں میں بھی جو افسران تھے وہ اپنے عہدے اور کام کو موروثی جاگیر سمجھتے تھے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ، مختلف سرکاری محکمے بھی موروثی سمجھے جانے لگے تھے۔ پچھلے ایک باب میں ایک مثال ہمارے سامنے یہ آ چکی ہے کہ بنگال میں مہامنتری کا عہدہ ایک ہی خاندان میں چار پشتوں تک رہا تھا۔ اسی طرح کچھ عہدوں پر چند خاندانوں کی اجارہ داری بھی جانے لگی تھی۔ موروثی سرداروں نے رفتہ رفتہ متعدد سرکاری کاموں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ انہوں نے محض سرکاری محصول طے کرنے اور وصول کرنے کا ہی کام نہیں کیا بلکہ انتظامی امور کو بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا جن میں سزا دینے اور جرمانہ محصولے جیسے اختیارات بھی شامل تھے اور جو پہلے مخصوص شاہی اختیارات کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی زمینوں کو راجا کی پیشگی مرضی کے بغیر ہی اپنے پیروکاروں اور حامیوں کو دے دینے کا حق بھی اپنے ہاتھ میں لے لیا جس کے نتیجے میں ان لوگوں کی تعداد بڑھتی گئی تھی جو اس طرح کی زمینوں پر کوئی محنت کیے بغیر ہی ان سے اپنا گزارا کرتے تھے۔ اس طرح کے سماج کو ایک جاگیردارانہ معاشرہ کہا جاسکتا ہے۔ جاگیردارانہ سماج کی عام خصوصیت یہ ہے کہ سماج میں ان لوگوں کو ہی زیادہ طاقت ور حیثیت حاصل ہوتی ہے جو زمین سے کسی محنت کے بغیر روزی حاصل کرتے ہیں۔

ہندوستان میں اس طرح کے ایک سماج کی نشوونما کے دوررس اثرات مرتب ہوئے اس سے راجا کی حیثیت کمزور ہو گئی اور باج گزار سرداروں پر اس کا انحصار اور بڑھ گیا۔ ان میں سے بیشتر باج گزار سرداروں کے پاس اپنی فوج بھی ہوتی تھی جسے راجا کی حکم عدولی کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا تھا۔ ہندوستانی ریاستوں کی اندرونی کمزوری بعد میں ترکوں کے ساتھ مقابلہ آرائی کے وقت کافی سنگین ثابت ہوئی۔ چھوٹی ریاستوں نے تجارت کی حوصلہ شکنی کی اور ایک ایسی معیشت کو بڑھاوا دیا جس میں گاؤوں یا گاؤوں کے گروپوں میں زیادہ سے زیادہ خود کفیل بننے کا رجحان پیدا ہوتا گیا۔ باج گزار سرداروں کے غلبے کے نتیجے میں گاؤں کی اپنی حکومت کے نظام کو بھی جھٹکا لگا اور وہ کمزور پڑتا گیا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جاگیردارانہ نظام میں صرف برائیاں ہی تھیں۔ بدنظمی اور تشدد کے زمانے میں مقابلتاً زیادہ مضبوط باج گزار سردار کسانوں اور دوسرے لوگوں کو جان ومال کا تحفظ فراہم کرتے تھے جن کے بغیر روزمرہ کی زندگی گزارنا ناممکن تھا۔ کچھ باج گزار سرداروں نے زراعت کی توسیع اور ترقی میں بھی کافی دلچسپی لی۔

7.2.1 عوام کا طرز زندگی (People's Lifestyle)

اس عہد میں کپڑے، سونے چاندی کے حکام اور دھات سازی جیسی ہندوستانی دست کاریوں کے اعلیٰ معیار میں کوئی زوال نہیں آیا۔

ہندوستانی زراعت بھی ترقی پذیر حالت میں رہی تھی۔ ہمیں بہت سے عرب سیاحوں سے زمین کی زرخیزی اور ہندوستانی کسانوں کی مہارت کی شہادتیں ملتی ہیں۔اس عہد کی تمام ادبی تخلیقات سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ وزراء، حکام اور زمین دار سردار بہت شان وشوکت اور ٹھاٹ باٹ کی زندگی گزارتے تھے۔ یہ اپنے راجا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے عالیشان مکانوں میں رہتے تھے۔ جو تین سے پانچ منزل تک اونچے ہوتے تھے۔ یہ لوگ اپنے جسموں کی آرائش کے لیے بیش قیمت غیر ملکی لباس پہنتے تھے یا جن میں اونی اور چینی ریشمی کپڑے، بیش قیمت ہیرے جواہرات نیز سونے چاندی کے زیورات بھی ہوتے تھے۔ان کے محلوں میں بڑی تعداد میں عورتیں ہوتی تھیں اور ان کی دیکھ بھال کے لیے گھریلو نوکر بھی ہوتے تھے جب بھی وہ باہر نکلتے تھے تو ان کے ساتھ بڑی تعداد میں گھریلو خدمت گار بھی ہوتے تھے۔ یہ مہا سامنت ادھی پی جیسے اونچے خطابات بھی اپنے لیے خود ہی اختیار کر لیا کرتے تھے۔ اور ایسے بے امتیازی نشان کی شکل میں جھنڈے، آراستہ و پیراستہ چھتریاں مکھیوں کو اڑانے کے لیے یاک (تبتی بیل) کی دم کی بنی ہوئی پنکھی استعمال کرتے تھے۔اس عہد کی ایک تصنیف سے ایک شاہی افسر کے چھوٹے لڑکے کی زرق برق پوشاک اور جسمانی آرائش کے سامان کا جو ذکر ملتا ہے اس سے اس عہد کے مٹھی بھر باج گزار سرداروں اور شاہی (سرکاری) افسروں کے رہن سہن کی بخوبی نمائندگی ہوتی ہے۔اس کو خاص قسم کی انگوٹھیاں، کنڈل (بندے) اور گلے میں ایک پتلا سنہرا ہار ہوئے دکھایا گیا ہے۔ زعفران کے لیپ کی وجہ سے اس کا جسم پیلے رنگ کا ہو گیا ہے۔اس کے جوتے کامدار ہیں۔اس کے کپڑے زعفران سے رنگے پیلے ہیں۔ جن میں سنہری کناری ہے۔جب کبھی وہ عوام میں آتا ہے تو اس کے ساتھ بہت سارے خدمت گار ہوتے ہیں۔ جن میں ایک شخص پاندان کے ساتھ ہوتا تھا اور پانچ یا چھ مسلح سپاہی بھی ہوتے تھے۔

بڑے سوداگر بھی شاہی ٹھاٹ باٹ رکھتے تھے۔ اور بعض اوقات تو ان کا رہن سہن بالکل شاہی انداز اختیار کر لیتا تھا۔ چالوکیہ عہد حکومت کے ایک کروڑپتی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے مکان کے اوپر بجنے والی گھنٹیوں کے ساتھ بڑے جھنڈے لہراتے رہتے تھے اور اس کے اصل مکان کے قریب پہونچنے کے لیے بلور کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ مکان کے اندر ایک مندر بھی تھا جس کا فرش اور دیواریں بلور کی تھیں۔ جن پر مذہبی تصویریں اور بلور کی ایک مورتی بنی ہوئی تھی۔ وشوپال اور تیج پال جو کہ گجرات میں وزیر تھے، اپنے زمانے کے متمول ترین سوداگر مشہور تھے۔

مذکورہ بالا بیان کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط ہوگا کہ ہر طرف خوش حالی ہی تھی۔ اگرچہ غذائی اشیا سستی تھیں، لیکن شہروں میں بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے تھے جنہیں پیٹ بھر کھانا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ راج ترنگنی (شہر میں لکھی گئی بارہویں صدی کی تصنیف کے مصنف نے انہی لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ایک طرف تو درباری بھنا ہوا گوشت کھاتے اور خوشبودار ٹھنڈی شراب پیتے تھے تو دوسری طرف تمام لوگوں کو چاول اور اتپل ساگ (کڑوے ذائقے کی جنگلی سبزی) پر ہی صبر کرنا پڑتا تھا۔ اس زمانے کے نادار مردوں اور عورتوں کی بدقسمتی کی متعدد کہانیاں ملتی ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ڈکیتی اور لوٹ مار کر کے زندگی بسر کرتے تھے۔ جہاں تک گاؤوں کا تعلق ہے جہاں آبادی کا بڑا حصہ رہتا تھا، تو ہمیں کسانوں کے بارے میں، اس عہد کی ادبی تخلیقات، زمین کے ہبہ ناموں اور کتبوں سے معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ دھرم شاستر کے شارحین کا کہنا ہے کہ کسانوں سے حسب سابق پیداوار کا چھٹا حصہ محصول کے طور پر لیا جاتا ہے۔ زمین کے ہبہ

ناموں سے ہمیں چراگاہ محصول، تالاب محصول جیسے کئی اضافی یا ذیلی محصولوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ کسانوں کو زمین کے محصول کے ساتھ ساتھ ان محصولوں کی بھی ادائیگی کرنی ہوتی تھی۔ کچھ ہبہ ناموں سے زمین کے مالک کو یہ حق حاصل ہو جاتا تھا کہ وہ اس زمین پر متعین یا غیر متعین، مناسب یا نامناسب محصول کسانوں پر لگا سکتا تھا۔ کسانوں کو بیگار یا جبریہ مزدوری کرنی پڑتی تھی۔ وسطی ہندوستان اور اڑیسہ جیسی بعض جگہوں پر عہد وسطیٰ کے یورپ کے زرعی غلاموں کی طرح گاؤں کی زمینوں کے ساتھ ساتھ، ان زمینوں پر بسے ہوئے کاریگر، دست کار، چرواہے اور کسان بھی دے دیے جاتے تھے۔ ادبی تخلیقات سے ہمیں ایسے باج گزار سرداروں کے بارے میں پتہ چلتا ہے جو محصول وصول کرنے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک راجپوت سردار چڑیوں، مردہ پرندوں، خنزیر کی لید اور مردوں کے کفن سے بھی آمدنی کرتا تھا۔ ایک دوسری تخلیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ایک باج گزار سردار کی زیادتیوں سے ایک گاؤں انسانوں سے بالکل خالی ہو گیا تھا۔ بار بار پڑنے والے قحط اور جنگیں بھی اس صورت حال کا یقیناً ایک سبب رہی ہوں گی۔ جنگوں میں پانی کے وسائل کو تباہ کر دینا، گاؤوں کو جلا دینا، مویشیوں اور بازاروں کے غلے کے ذخیروں پر زبردستی قبضہ کر لینا اور شہروں کو تباہ و برباد کر دینا اس حد تک عام بات تھی کہ اس عہد کے مصنفین نے بھی ان کاموں کو درست ہی بتایا ہے۔ اس طرح جاگیر دارانہ نظام کی ترقی سے عام لوگوں کے مصائب میں اور اضافہ ہو گیا۔

7.2.2 ذات پات کا نظام (Caste System)

ذات پات کا نظام، جو کہ کافی پہلے قائم ہو چکا تھا سماجی ڈھانچے کی سب سے اہم بنیاد بن گیا۔ اس عہد کی سمرتیوں کے لکھنے والوں نے برہمنوں کے خصوصی حقوق کو کافی بڑھا چڑھا کر بتایا اور شودروں (نچلی ذاتوں) کو سماجی اور مذہبی اعتبار سے نااہل قرار دینے کے سلسلے میں اپنے پیشرو مصنفین کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ اس عہد کے سمرتی کے ایک مصنف، پراشر کے مطابق شودروں کا تیار کیا ہوا کھانا کھانا، ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان سے کچھ سیکھنا ایسے کام ہیں جو خاندانی شخص کو بھی نیچ بنا دیتے ہیں۔ ہمیں اس سوال پر بھی ایک بحث و مباحثے کا پتہ چلتا ہے کہ کسی شودر کا سایہ بھی نجس ہے یا نہیں۔ اس بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے کہ سمرتی کے ان مصنفین کے یہ خیالات روزمرہ کی زندگی پر کس حد تک اثر انداز تھے؟ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عہد میں پس ماندہ اور نچلے طبقوں کے لوگوں کی حالت اور بھی خستہ ہو گئی تھی۔ مختلف ذاتوں کے درمیان شادی کو برا سمجھا جاتا تھا۔ اگر کوئی اونچی ذات کا مرد کسی نچلی ذات کی عورت سے شادی کر لیتا تھا تو اس کی اولاد کی ذات، ماں کی ذات کے اعتبار سے طے پاتی تھی لیکن اگر عورت اونچی ذات کی ہوتی تھی اور مرد نچلی ذات کا، تو ایسی صورت میں اولاد کی ذات، باپ کی ذات کے اعتبار سے طے ہوتی تھی۔ اس عہد کے مصنفین نے اس عہد کی کئی ذاتوں کا ذکر کیا ہے جن میں کمہار، جولاہا، سونار، گویا، موسیقار، نائی (حجام)، رسی بانٹنے والے، چمڑے کا کام کرنے والے، مچھیرا، شکاری وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ تو مزدوروں کی تنظیمیں تھیں، جن میں اس عہد میں ذات (جاتی) کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اہم بات یہ ہے کہ اس عہد کی سمرتی کے لکھنے والوں نے دست کاریوں کو ادنی پیشہ قرار دیا تھا۔ اس طرح بیشتر مزدور پیشہ لوگوں اور بھیل قبائل جیسے لوگوں کو اچھوت اور نچلی ذات کا مانا جانے لگا تھا۔

اس عہد میں راجپوتوں کے عروج کا بھی پتہ چلتا ہے۔ راجپوتوں کی اصل کے بارے میں عالموں میں کافی اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ کئی راجپوت خود کو مہابھارت کے عہد کے سوریہ ونشی اور چندر ونشی چھتریوں کی اولاد مانتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے راجپوت اپنی اصل کا سرچشمہ

اس یگیہ کی قربانی کی آگ کو مانتے ہیں جو کہ رشی وششٹ نے آبو پہاڑ پر کیا تھا لیکن ہم راجپوتوں کی اصل کے سلسلے میں ان روایتوں پر ہی منحصر نہیں رہ سکتے کیونکہ ان میں سے بعض روایتوں کا ذکر جیسے ماؤنٹ آبو کا یگیہ پرتی ہار، پرمار، چوہان اور سولنکی جیسی کچھ راجپوت ذاتیں معرض وجود میں آئیں۔ پہلی بار بعد کی شعری روایتوں میں ہی آیا ہے۔ ہم ان روایتوں سے صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مختلف راجپوت خاندانوں کی اصل کا سرچشمہ بھی مختلف ہے۔ کچھ ہندوستانی اور غیر ملکی عالموں کا یہ خیال ہے کہ ان میں سے کچھ راجپوتوں کے آباواجداد سیتھین اور ہن تھے، جو کہ ہرش کے بعد ہندوستان میں آکر بس گئے تھے، جبکہ دوسرے راجپوت خاندان، ہندوستان کے ہی قبائل سے نکلے ہیں۔ چھتریوں کے علاوہ برہمنوں اور ویشیہ خاندان کے لوگوں نے مختلف زمانوں میں ملک پر حکومت کی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ مختلف ذاتوں کے حکمرانوں کو راج پتر یا راجپوت کہا جانے لگا تھا اور انہیں چھتری کا درجہ دے دیا گیا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ذات کی درجہ بندی اتنی شدید نہیں تھی جیسی کہ بعض اوقات سمجھی جاتی ہے۔ لوگ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اونچی ذات میں شامل ہو سکتے تھے اور نچلی ذات میں گر بھی سکتے تھے۔ بعض اوقات نئی ذاتوں کو ورن کے درجے میں رکھنا مشکل بھی ہو جاتا تھا۔ اس کی ایک مثال کائستھ ذات ہے جس کا ذکر خاص طور پر اس زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں مختلف ذاتوں کے لوگ، جن میں برہمن اور شودر بھی تھے جو سرکاری کام میں شامل تھے۔ کائستھ کے نام سے پکارے گئے اور امتداد زمانہ کے ساتھ ان لوگوں نے ایک الگ ذات کی حیثیت حاصل کر لی۔ اس عہد میں ہندو دھرم تیزی سے پھیل رہا تھا۔ اس نے نہ صرف یہ کہ بڑی تعداد میں بدھسٹوں اور جینیوں کو اپنے میں جذب کر لیا بلکہ مختلف دیسی قبیلوں اور غیر ملکی لوگوں کو بھی ہندو بنا لیا۔ ان نئے طبقوں نے نئی ذاتوں اوذیلی ذاتوں کو نیا روپ دیا اور عام طور پر اپنی رسموں، شادی بیاہ کے طریقوں بلکہ اپنے قبائلی دیوی دیوتاؤں کی پرستش کو بھی جاری رکھا۔ اس طرح سماج اور مذہب دونوں ہی زیادہ سے زیادہ پیچیدہ ہوتے چلے گئے۔

7.2.3 عورتوں کی حیثیت (Position of Women)

حسب سابق اس عہد میں بھی عورتیں ذہنی اعتبار سے کم تر ہی سمجھی جاتی تھیں۔ اپنے شوہر کے علم کو آنکھ بند کر کے بجالانا ان کا فرض تھا۔ ایک مصنف نے اس عہد میں اپنے شوہر کے تئیں بیوی کے فرائض پر اس طرح روشنی ڈالی ہے کہ اسے اپنے شوہر کے پیروں کی مالش اور وہ تمام کام کرنے چاہئیں جو کہ نوکروں کے لیے مناسب ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ شرط بھی لگاتا ہے کہ شوہر کو راستی کے راستے پر چلنا چاہیے اور اپنی بیوی کے تئیں نفرت یا حسد نہیں رکھنا چاہئے۔ متسیہ پران میں بد چلن بیوی کے شوہر کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اس کے سر اور چھاتی کو چھوڑ کر، کوڑے یا بانس کی چھڑی سے اس کی پٹائی کر سکتا ہے۔ اس عہد میں بھی عورتوں کو وید پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اس کے علاوہ لڑکیوں کی شادی کی عمر بھی کم کر دی گئی جس کے نتیجے میں ان کی اعلیٰ تعلیم کے مواقع بھی ختم کر دیے گئے۔ اس عہد کی فرہنگوں میں معلماؤں کا ذکر نہ ملنا اس بات کی علامت ہے کہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ تاہم اس عہد میں تحریر کیے گئے کچھ ڈراموں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شاہی محل کی عورتیں اور رانی کی باندیاں بھی سنسکرت اور پراکرت زبانوں اعلیٰ معیار کی شاعری کر سکتی تھیں۔ فنون لطیفہ، خاص طور پر مصوری اور موسیقی میں شہزادیوں کی مہارت کا ذکر مختلف قصوں اور کہانیوں میں ملتا ہے۔ اعلیٰ عہدیداروں کی لڑکیاں، طوائفیں اور داشتائیں بھی مختلف

فنون لطیفہ کے ساتھ ساتھ شعر و شاعری پر بھی پورا پورا عبور رکھتی تھیں۔

شادی کے سلسلے میں سمرتی لکھنے والوں کا یہ کہنا تھا کہ لڑکیوں کی شادی چھ اور آٹھ سال کی عمر کے درمیان یا آٹھ سال کی عمر کے بعد اور بالغ ہونے سے پہلے پہلے کر دینی چاہئے۔ دوسری یا دوبارہ شادی کی اجازت بعض مخصوص حالت میں تھی یعنی اس صورت میں جبکہ شوہر نے بیوی سے کنارہ کشی کر لی ہو (یعنی اس کا کوئی پتہ نہ ہو یا شوہر فوت ہو گیا ہو یا اس نے سنیاس لے لیا ہو، نامرد ہو یا اسے ذات سے باہر کر دیا گیا ہو۔

عام طور پر عورتیں ناقابل اعتبار بھی جاتی تھیں۔ انہیں بالکل الگ رکھا جاتا تھا اور وہ ہر حال میں کسی نہ کسی مرد یعنی باپ، بھائی، شوہر یا بیٹے کے تابع ہوتی تھیں۔ تاہم گھر میں ان کا پورا احترام تھا۔ اگر کوئی شوہر قصور وار بیوی کو بھی چھوڑ دیتا تھا تو بھی اسے اپنی بیوی کا خرچ دینا پڑتا تھا۔ زمین کی ملکیت کے حق کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ جائیداد سے متعلق عورتوں کے حقوق میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ایک کنبے کی جائیداد کو محفوظ رکھنے کی غرض سے عورتوں کو اپنے شوہر، باپ یا بیٹے کی جائیداد میں وراثت کا حق دیا گیا۔ اگر کسی شوہر کی موت نرینہ اولاد پیدا کیے بغیر ہی ہو جاتی تھی تو بعض حالات کے استثناء کے ساتھ اس کی بیوی کو شوہر کی ساری جائیداد کا حق ملکیت مل جاتا تھا۔ اسی طرح بیوہ کی جائیداد پر اس کی لڑکیوں کا حق ہوتا تھا۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جاگیردارانہ نظام کی ترقی سے نجی جائیداد کے تصور کو استحکام ملا۔

جہاں کچھ مصنفین نے ستی کے رواج کو لازمی قرار دیا تھا وہیں کچھ دوسرے مصنفین نے اس کی مذمت بھی کی۔ ایک عرب سیاح اور تاجر، سلیمان کے بیان کے مطابق راجا کی بیویاں کبھی کبھی اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی تھیں، لیکن اس کا دارومدار ان کی اپنی مرضی پر ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باج گزار سرداروں کے ذریعے بڑی تعداد میں بیویاں رکھنے کے رواج کو بڑھاوا، نیز اس کے نتیجے میں جائیداد کی تقسیم کے سلسلے میں نزاع پیدا ہونے کی وجہ سے بھی ستی کا رواج پھیلا۔

7.2.4 لباس، کھانا اور زیورات (Garments, Food Habits and Ornaments)

اس عہد میں عورتوں اور مردوں کی پوشاک میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور دھوتی اور ساڑی کو مردوں اور عورتوں کی عام پوشاک کی حیثیت حاصل رہی۔ اس کے علاوہ شمالی ہندوستان میں مرد مرزائی (صدری) اور عورتیں چولیاں بھی پہنتی تھیں۔ مورتیوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شمالی ہندوستان میں اونچے طبقے کے لوگ لمبے کوٹ، پاجامے اور جوتے پہنتے تھے۔ راج ترنگنی کے مطابق راجہ ہرش نے کشمیر میں ایک راجا کے شایان شان ایک پوشاک کا چلن شروع کیا تھا۔ اس شاہی لباس میں ایک لمبا کوٹ بھی تھا کیونکہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ایک سابق وزیر اعلیٰ کو اس وجہ سے شاہی عتاب کا نشانہ بننا پڑا تھا کہ اس نے ایک چھوٹا کوٹ پہنا تھا۔ سردی کے موسم میں اونی کمبل استعمال کیے جاتے تھے۔ عام طور پر سوتی کپڑے کا استعمال سب سے زیادہ ہوتا تھا۔ اونچے طبقے کے لوگ ریشمی اور ململ کے کپڑے پہنتے تھے۔ عرب سیاحوں سے اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ مرد اور عورت زیورات کے شوقین تھے۔ مرد اور عورت دونوں ہی سونے کے بازوبند اور بالیاں پہنتے تھے جو بعض اوقات بیش قیمت پتھروں کے بھی بنے ہوتے تھے۔ ایک چینی مصنف، چاؤ جو کوا کا کہنا ہے کہ گجرات میں مرد، عورت دونوں ہی دوہرے دوہرے کن پھول پہنتے تھے اور ان کے کپڑے چست ہوتے تھے۔ سروں پر پگڑیاں ہوتی تھیں اور پیروں میں لال رنگ کے جوتے ہوتے

تھے۔ایک دوسرے مشہور سیاح مارکو پولو کا کہنا ہے کہ مالا بار میں مرد اور عورت دونوں ہی صرف ایک لنگوٹی پہنتے تھے اور اس سلسلے میں راجا کا بھی استثناء نہیں تھا اور درزی نام کی کوئی چیز ہیں تھی۔ کیلون میں بھی لنگوٹی ہی مردوں اور اورتوں کی پوشاک تھی۔ اگرچہ جنوبی ہند کے حکمرانوں کی پوشاک میں کپڑے بہت کم ہوتے تھے لیکن وہ زیورات کے بہت شوقین تھے۔ چاؤ جو کوا کے بیان کے مطابق مالا بار کا راجا بھی اپنی رعیت کی طرح سوتی لنگوٹی پہنتا تھا اور ننگے پیر رہتا تھا، لیکن جلوس کی شکل میں ہاتھی پر سوار ہو کر باہر جاتے وقت وہ اپنے سر پر ہیرے اور جواہرات جڑا تاج (مکٹ) اور سونے کے بنے بازوبند اور پازیب پہنتا تھا۔ مارکو پولو بتاتا ہے کہ راجا سونے، ہیرے اور جواہرات کی شکل میں جو کچھ بھی پہنتا تھا اس کی مالیت ایک شہر کے فدیہ سے بھی زیادہ ہوتی تھی۔

جہاں تک کھانے یا غذا کا تعلق ہے تو بہت سے علاقوں اور آبادی کے بڑے حصے میں سبزی خوری (Vegeterianism) کا رواج تھا۔ اس عہد کے سمرتیوں کے مصنفین نے ان مواقع کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جب گوشت کھانا جائز ہوتا تھا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مور، گھوڑا، جنگلی گدھے، جنگلی مرغ اور جنگلی خنزیر کا گوشت کھانا جائز مانا جاتا تھا۔

ہندوستانیوں میں نشہ آور اشیاء کے استعمال کا رواج نہ ہونے کو عرب مصنفین نے کافی سراہا ہے۔ بہر حال یہ ان کی زندگی کو مثالی انداز سے پیش کرنے کی کوشش بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس عہد کی ادبی تخلیقات میں شراب خوری کے متعدد حوالے ملتے ہیں۔ شراب تقریبات کے موقعوں خاص طور پر شادی بیاہ، دعوتوں اور سیر و تفریح وغیرہ میں پی جاتی تھی۔ یہ تقریبات عوام کے کچھ طبقات میں کافی مقبول تھیں۔ راجا کے سفر کے دوران اس کے قافلے میں شامل عورتیں بھی شراب نوشی کا پورا پورا مزہ لیتی تھیں۔ جہاں چند سمرتی لکھنے والوں نے تین اونچی ذاتوں کے لیے شراب نوشی پر پابندی لگائی وہیں کچھ دوسری سمرتیوں میں صرف برہمنوں کے لیے شراب نوشی ممنوع قرار دی گئی اور چھتریوں اور ویشیوں کو چند استثناء کے ساتھ شراب پینے کی اجازت دی گئی۔ اس عہد کے ادب سے پتہ چلتا ہے کہ شہروں کے لوگ کھیل کود اور تفریح بازی کے رسیا تھے۔ میلوں اور جشنوں کے علاوہ باغیچوں کی سیر، تیراکی اور مل بیٹھن کا کافی رواج تھا۔ بھیڑوں، مرغوں وغیرہ جیسے جانوروں کی لڑائی اور کشتیوں کے مقابلے وغیرہ عوام میں بہت مقبول تھے۔ سماج کے اونچے طبقے کے لوگ چوسر اور شکار کھیلنے کے شوقین تھے۔ چوگان شاہی تفریح کا وسیلہ تھا۔

7.2.5 تعلیم، سائنس اور علم

وہ تعلیمی نظام جو کہ سابقہ عہد میں بتدریج ترقی کرتا رہا تھا۔ زیادہ تبدیلی کے بغیر اس عہد میں بھی جاری رہا۔ اس زمانے میں اجتماعی تعلیم کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ لوگ بس وہی سیکھتے تھے جو وہ اپنی گزراوقات کے لیے لازمی سمجھتے تھے۔ لکھنا پڑھنا، کچھ ہی لوگوں، خاص طور پر برہمنوں کائستھوں اور اونچے طبقوں کے لوگوں تک ہی محدود تھا۔ کبھی کبھی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست مندروں کے ذریعے بھی ہوتا تھا۔ عام طور پر طالب علم کو معلم کے گھر جا کر یا اس کے ساتھ رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں وہ اپنے معلم کو فیس ادا کرتا تھا یا تعلیم کی تکمیل پر نذرانہ (دکھشنا) دیتا۔ طالب علموں کو، خاص طور پر ایسے طالب علموں کو، جو کہ فیس نہیں دے سکتے تھے

اپنے معلم کی خدمت کرنی پڑتی تھی۔ زبان کی قواعد (صرف ونحو) منطق، فلسفہ اور ویدوں کی مختلف شاخوں کی تدریس تعلیم کا اہم موضوع تھا۔ کسی دست کاری یا پیشے کی تعلیم دینے کی ذمہ داری تنظیموں پر یا انفرادی طور پر کنبوں پر ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر ہمارے پاس ایسے بیانات موجود ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ایک سوداگر اپنے بیٹے کو کس محتاط طریقہ سے اپنے پیشے کی تعلیم دیا کرتا تھا۔

زیادہ رسمی قسم کی تعلیم جس میں غیر مذہبی مضامین پر زیادہ زور ہوتا تھا، بعض بودھ وہاروں میں بھی جاری رہی۔ ان میں بہار میں واقع نالندہ یونیورسٹی سب سے زیادہ مشہور تھی۔ اس طرح کے دوسرے بڑے تعلیمی مرکزوں میں وکرم شیلا اور اُدند پورہ تھے جو بہار ہی میں تھے۔ ان تعلیمی اداروں میں جن دور دراز مقامات سے طالب علم حصول علم کے لیے آتے تھے ان میں تبت بھی شامل تھا۔ بیشتر تعلیم مفت ہی دی جاتی تھی۔ ان اخراجات کو پورا کرنے کے لیے اس وقت کے حکمران کافی فراخ دلی سے رقم اور زمین کا عطیہ دیا کرتے تھے۔ نالندہ کو دو سو گاؤں عطیے میں ملے ہوئے تھے۔

کشمیر تعلیم کا دوسرا اہم مرکز تھا۔ اس وقت کشمیر میں متعدد شیو پرست فرقے اور تعلیم و تدریس کے مرکز تھے۔ جنوبی ہندوستان میں مدورائی اور سرنگیری جیسے کئی مقامات پر کئی اہم مٹھ قائم کیے گئے۔ تعلیم کے مختلف مرکزوں میں مذہب اور فلسفے جیسے موضوعات پر بحث و مباحے کی حوصلہ افزائی کی گئی ملک کے مختلف مقامات پر کئی تعلیمی مرکزوں اور مٹھوں کے توسط سے ملک کے ایک حصے سے دوسرے حصے تک افکار و خیالات تیزی اور آزادی سے پھیلے۔ فلسفے کی تعلیم اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک کہ فلسفی نے ملک کے مختلف تعلیمی مرکزوں کا سفر کر کے وہاں کے فلسفیوں سے تبادلہ خیال نہ کر لیا ہو۔ ملک بھر میں افکار و خیالات کے پھیلاؤ اور لین دین کے لیے جو طریق کا اختیار کیا گیا وہ ملک کی ثقافتی اور تہذیبی ایکتا کو برقرار رکھنے اور مستحکم بنانے میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اس عہد میں ملک میں سائنس کی نشو و نما اور ترقی کی رفتار دھیمی پڑ گئی یہاں تک کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ملک سائنس کے میدان میں اپنی قائدانہ حیثیت سے ہی محروم ہو گیا۔ اس طرح علم جراحت (سرجری) میں زوال کی وجہ یہ تھی کہ لاشوں کی چیر پھاڑ کے لیے صرف نچلی ذاتوں کے لوگ ہی اہل سمجھے جاتے تھے۔ درحقیقت علم جراحت تو نائیوں کا ہی پیشہ بن کر رہ گیا۔ اس طرح علم نجوم نے دھیرے دھیرے علم فلکیات کی جگہ لے لی۔ بہر حال ریاضیات کے میدان میں کسی قدر ترقی ہوئی۔

بھاسکر دوم کی کتاب لیلاوتی کو جو کہ اس عہد میں لکھی گئی تھی کافی عرصے تک ایک اعلیٰ معیاری درسی کتاب کی حیثیت حاصل رہی۔ کچھ معدنیات، خاص طور پر پارے کے استعمال کی شکل میں علم ادویہ نے بھی کسی قدر ترقی کی۔ نباتاتی علوم، نیز جانوروں (ہاتھیوں، گھوڑوں وغیرہ) کے علاج کے موضوعات پر بھی کئی کتابیں لکھی گئیں لیکن اچھے گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا کوئی طریقہ دریافت کرنے کی کوشش نہیں کی گئی جس کی وجہ سے ہندوستان کا سارا دار و مدار ایران، عرب اور وسطی ایشیا سے گھوڑوں کی سپلائی پر ہی رہا۔ ان علاقوں پر مسلم حکمرانوں کا تسلط قائم ہو جانے کے بعد ہندوستانی راجاؤں کو اچھی نسل کے گھوڑوں کی حصولیابی میں کافی دشواریاں آتی تھیں۔

اس عہد میں ہندوستانی سائنس میں انحطاط اور جمود کے کئی اسباب تھے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ سائنس کی ترقی پورے سماج کی ترقی سے

جڑی ہوتی ہے۔اس عہد میں معاشرہ اپنے رویے کے لحاظ سے سخت (جامد) اور تنگ نظر ہوتا جارہا تھا۔ مذہبی قدامت پرستی کی وجہ سے شہری زندگی اور رسل ورسائل کے ذرائع میں بھی زوال آتا جارہا تھا۔اس زوال کا دوسرا اہم سبب یہ تھا کہ ہندوستانیوں نے باہری دنیا میں ہونے والی سائنسی ترقی کی دھارا سے خود کو الگ رکھا۔اس کی ایک جھلک ہمیں وسطی ایشیا کے ایک مشہور سائنس داں اور عالم البیرونی کی تصنیفات سے بھی ملتی ہے جو گیارہویں صدی کے اوائل میں دس سال تک ہند میں مقیم رہا تھا۔اگرچہ البیرونی ہندوستانی علم اور سائنس کا زبردست معترف تھا لیکن اس نے ملک کے عالموں یعنی برہمنوں کی تنگ نظری کا بھی ذکر کیا ہے۔اس کا بیان ہے کہ ''یہ لوگ (برہمن) مغرور، خود پسند، خود بین اور ضدی ہوتے ہیں۔'' اور اپنے علم میں دوسروں کو شریک کرنے کے معاملے میں کنجوسی سے کام لیتے ہیں اور اس بات کا پورا خیال رکھتے ہیں کہ کسی دوسری ذات کے کسی شخص خاص طور پر کسی دوسرے ملک کے شخص کو ان کا علم حاصل نہ ہونے پائے۔ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کے علاوہ کائنات کے کسی بھی ذی روح کو سائنس کا علم نہیں ہے۔

7.3 ادب اور فنونِ لطیفہ (Literature and Fine Arts)

7.3.1 سنسکرت ادب (Sanskrit Literature)

زیر نظر عرصے کے دوران سنسکرت ہی اعلیٰ خیالات کے اظہار اور ادبِ عالیہ کی تخلیق کا وسیلہ رہی تھی۔ فی الحقیقت ادب کی مختلف شاخوں میں سنسکرت ادب کی تخلیق کا کام زبردست مقدار میں اور شاید اس سے پہلے دور سے زیادہ ہی عمل میں آیا۔ عظیم شنکراچاریہ کے بعد 'ادویتا' فلسفے کے میدان میں رامانج، مادھو، ولبھ وغیرہ نے جو تحریری کام کیے وہ متواتر سنسکرت میں ہی ہوئے۔ان لوگوں کے خیالات جس تیز رفتار سے ملک کے مختلف حصوں میں پھیلے اور ان پر بحثیں ہوئیں اس سے اس بات کا بخوبی اظہار ہو جاتا ہے کہ سنسکرت اس دور میں کتنا اہم کردار ادا کر رہی تھی۔ ملک کے مختلف حصوں میں، جن میں مسلم اقتدار والے علاقے بھی شامل تھے، کچھ مخصوص قسم کے اسکولوں اور علمی اداروں کا ایک جال سا پھیلا ہوا تھا۔ان اداروں کے کام میں کسی قسم کی مداخلت یا رکاوٹ پیدا نہیں کی جاتی تھی اور یہ متواتر پھلتے پھولتے رہے۔ان میں سے بہت سے اداروں نے کاغذ کے آنے سے بھی فائدہ اٹھانا شروع کیا اور اسے قدیم تحریروں کو دوبارہ لکھ کر مختلف جگہوں تک پہنچانے میں استعمال کیا۔اس طرح رامائن اور مہابھارت کے کچھ قدیم ترین نسخے، جو آج موجود ہیں، وہ گیارہویں، بارہویں اور اس کے بعد کے عرصے سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔

فلسفے کے علاوہ کاویہ (Poetry)، ناٹیہ شاستر (Drama)، اپنیاس(Fiction)، چکتسا شاستر (Medicine)، جیوتش ودیا(Austronomy) سنگیت(Music) وغیرہ میں بھی تحریری کام جاری رہا۔ دھرم شاستر (ہندو قوانین) پر بہت سی تفسیریں اور تلخیصیں (ڈائجسٹ) بارہویں سے سولہویں صدی کے درمیان تیار کی گئیں۔ وجنانیشور کی عظیم 'متاکشر' جو ہندو قوانین کے دو بنیادی مکاتیب فکر میں سے ایک کی تشکیل کرتی ہے، اس کی تیاری کو بھی بارہویں صدی سے پہلے نہیں مانا جاسکتا۔ دھرم شاستروں کا ایک اور مشہور و معروف مفسر بہار کا 'چندیشور' تھا جو چودہویں صدی کا تھا۔ زیادہ تر تحریری کاموں کی تخلیق ہندو حکمرانوں کے تحت جنوبی ہندوستان، اس کے بعد

بنگال، پھر متھیلااور مغربی ہندوستان میں ہوئی۔ سنسکرت کی نشوونمامیں جینیوں کا حصہ رہا۔ان میں سب سے مشہور نام ہیم چندر سواری کاآتا ہے۔ یہ بات خاصی جیب لگتی ہے کہ انہوں نے عام طور پر ملک میں مسلمانوں کی موجودگی کو نظرانداز کیا ہے۔اسلامی ادب یا فارسی ادب کو سنسکرت میں ترجمہ کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ شاید ایک واحد استثناء جامی کی تحریر کردہ یوسف وزلیخا کی کہانی کے ترجمے کی تھی۔اسے ہندوؤں کی طرز فکر کی تنگ نظری یاگھرے پن کی ایک اور مثال سمجھا جاسکتا ہے جس کا ذکر البیرونی پہلے ہی کر چکا تھا۔اس دور کی موجود حقیقتوں کو نظرانداز کرنایاان سے منہ موڑلیناشایداس حقیقت کے لیے ذمے دار ماناجائے گاکہ اس دور کے ادب میں زیادہ تر مواد وہرایا گیاہےاوراس میں تازگی بصیرت، تخلیقی جدت کی کمی ہے۔

7.3.2 عربی فارسی ادب (Arabic and Persian Literature)

حالانکہ مسلمانوں کا تخلیق کردہ ادب زیادہ تر عربی میں تھاجوان کے پیغمبر کی زبان تھی اور ادب اور فلسفے کی زبان کی حیثیت میں اسپین سے بغداد تک استعمال ہوتی تھی مگر جب ترک ہندوستان آئے توان پر فارسی کا بڑا گہرا اثر تھاکیونکہ دسویں صدی کے بعد سے یہی زبان وسط ایشیا اور ایران میں ادب اور حکومت کے انتظامیہ کی زبان ہوگئی تھی۔ ہندوستان میں عربی کا استعمال عام طور پر علماء اور فلاسفہ کے ایک محدود حلقے میں باقی رہا۔ وقت کے ساتھ ساتھ اسلامی قوانین کی تلخیصیں اور ترجمے فارسی میں بھی تیار ہوتے رہے جنہیں خود ہندوستان کے علماء نے ہی تیار کیا تھا۔ان میں سب سے مشہور فقہہ فیروز شاہی، ہے جسے فیروز تغلق کے عہد میں تیار کیا گیا تھا۔ بہر حال، عربی تلخیصیں تیار کرنے کا کام بھی جاری رہا، چنانچہ ان میں سب سے مشہور فتاوائے عالمگیری ہے جو اورنگ زیب کے دور میں فقیہوں کے ایک حلقے کے تیار کیے ہوئے اسلامی قوانین کا مجموعہ ہے۔

دسویں صدی میں ترکوں کی آمد سے ملک میں ایک نئی زبان 'فارسی' بھی پہنچی۔اسی زمانے میں ایران اور وسطِ ایشیا میں بھی فارسی میں ایک نئی زندگی اور توانائی آئی اور فارسی زبان کے کچھ عظیم ترین شعراء فردوسی اور سعدی اور عشقِ حقیقی اور صوفیانہ شاعری کے عظیم شعراء، ثنائی، عراقی، جامی، حافظ وغیرہ ہوئے اور دسویں سے چودھویں صدی کے درمیان ان کا زبردست کلام منظر عام پر آیا۔ ترکوں نے بالکل ابتداے ہی ادب اور انتظامیہ کے لیے فارسی زبان کو اپنالیا تھا۔اس طرح اس زبان کی نشوونما کے لیے ہندوستان میں سب سے پہلا مرکز لاہور بنا حالانکہ اس ابتدائی دور کے فارسی لکھنے والوں میں سے بہت کم لوگوں کا کام اب باقی ہے لیکن ان میں سے کچھ لکھنے والوں جیسے مسعود سعد سلمان کی تحریروں میں لاہور سے ایک گہرے لگاؤ اور محبت کا احساس ہوتا ہے۔ بہر حال اس دور کے سب سے قابل ذکر لکھنے والے امیر خسرو تھے۔1252 میں پٹیالی (مغربی اترپردیش میں بدایوں کے پاس ایک مقام) میں پیدا ہوئے اور انہیں اپنے ہندوستانی ہونے پر بڑا ناز تھا۔ وہ کہتے ہیں، ''میں نے ہندوستان کی تعریف وتوصیف دووجہوں سے کی ہے، چونکہ ہندوستان میری جائے پیدائش اور میرا ملک ہے، اور اپنے ملک سے محبت ایک اہم فرئضہ ہے۔۔۔ ہندوستان جنت جیسا ہے۔اس کی آب وہوا خراسان سے بہتر ہے۔۔۔ یہ پورے سال ہرا بھرا اور ہمیشہ پھولوں سے بھرا رہتا ہے۔ یہاں کے برہمن اتنے ہی لائق وفاضل ہیں جیسے ارسطو، اور یہاں بہت سے علموں کے بہت بڑے بڑے عالم موجود ہیں''

ہندوستان سے خسرو کی اس والہانہ محبت سے اظہار ہوتا ہے کہ ترک خود کو اب ایک غیر ملکی حکمراں طبقے کی شکل میں دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھے اور اب ان کے اور ہندوستانیوں کے درمیان ایک طرح کی ثقافتی مصالحت اور قربت کے لیے میدان ہموار ہو گیا تھا۔ خسرو نے بہت بڑا شاعرانہ ذخیرہ تیار کیا جس میں تاریخی رومانی کہانیاں بھی شامل تھیں۔ انہوں نے شاعری کی ہر صنف میں لکھا اور فارسی کا ایک نیا طرز ایجاد کیا جسے سبکِ ہندی، یا ہندوستانی طرز کے نام سے جانا جاتا ہے۔ خسرو نے ہندوستان کی زبانوں کی تعریف کی ہے جس میں ہندی (جسے انہوں نے 'ہندوی' لکھا ہے) بھی شامل تھی۔ اُن کے کچھ متفرق ہندی اشعار بھی اُن کی تحریروں میں نظر آجاتے ہیں، لیکن خالق باری، جس کی تالیف کو اُن سے منسوب کیا جاتا ہے، اس کے متعلق اغلب خیال یہی ہے کہ وہ کسی بعد کے اِسی نام کے شاعر کی تیار کی ہوئی ہے۔ وہ ایک باکمال موسیقار بھی تھے اور مشہور صوفی نظام الدین اولیا کی 'سماع' کی محفلوں میں بھی شریک ہوتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ جس دن خسرو نے اپنے پیر نظام الدین کے انتقال (1325) کی خبر سنی، اُسی دن ان کا بھی انتقال ہو گیا۔ انہیں بھی نظام الدین اولیا کے مقبرے کے احاطے میں ہی دفن کیا گیا۔

شاعری کے علاوہ اس دور میں فارسی میں تاریخ نویسی کی بھی ایک مضبوط روایت اُبھری۔ اس دور کے سب سے مشہور تاریخ نویس منہاج سراج، ضیاء الدین برنی، عفیف اور عصامی تھے۔ فارسی زبان کے توسط سے ہی ہندوستان کے وسط ایشیا اور ایران سے گہرے ثقافتی تعلقات قائم ہوئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ فارسی صرف انتظامیہ اور سیاسی امور کی زبان ہی نہیں رہی، بلکہ سماج کے اعلیٰ طبقے اور اُن سے ملحق اور منحصر حلقے کی زبان بھی ہو گئی۔ یہ صورتِ حال شمالی ہندوستان سے شروع ہوئی اور بعد میں دہلی سلطنت کی جنوب میں توسیع اور ملک کے مختلف حصوں میں مسلم ریاستوں یا بادشاہتوں کے قائم ہونے سے لگ بھگ پورے ملک میں پھیل گئی۔

ملک میں سنسکرت اور فارسی نے خاص طور پر سیاست، مذہب اور فلسفے کے میدانوں میں خاص طور پر رشتے یا واسطے کی زبان کا کام انجام دیا اور ادبی تخلیقات کی بھی یہی زبانیں رہیں۔ شروع شروع میں ان دونوں زبانوں میں بہت کم لین دین تھا۔ ضیاء نقشبندی (فوت 1350) نے سب سے پہلے سنسکرت سے فارسی میں وہ کہانیاں ترجمہ کیں جو ایک طوطے نے اس عورت کو سنائی تھیں جس کا شوہر سفر پر گیا ہوا تھا۔ 'طوطی نامہ' کتاب جو محمد بن تغلق کے زمانے میں تیار ہوئی تھی بے حد مقبول ہوئی اور فارسی سے ترکی اور بعد میں بہت سی یوروپی زبانوں میں ترجمہ ہوئی۔ اس نے ہندوستان کی قدیم جنسی کتاب کوک شاستر کا بھی فارسی میں ترجمہ کیا۔ بعد میں فیروز شاہ کے زمانے میں علم طب یا اوبیہ، اور موسیقی کی کتابیں بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کی گئیں۔ کشمیر کے سلطان زین العابدین نے مشہور و معروف تاریخ کی کتاب 'راج ترنگنی' اور 'مہابھارت' کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ اسی کی فرمائش پر علم طب اور موسیقی کی کتابیں بھی سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ ہوئیں۔

7.3.3 علاقائی زبانیں (Regional Languages)

اس زمانے میں بہت سی علاقائی زبانوں میں بھی اعلیٰ درجے کا ادب تخلیق ہوا۔ کچھ علاقائی زبانوں ہندی بنگالی، مراٹھی وغیرہ کی ابتدا

بھی آٹھویں صدی میں ہی تلاش کی گئی ہے۔ کچھ دوسری زبانیں جیسے تامل بہت پرانی زبانیں ہیں۔ بودھ، جینیوں اور ناتھ پنتھی 'سادھوؤں' نے کچھ ''ملی جلی یا بگڑی ہوئی زبانوں'' (اپ بھرنش) اور علاقائی زبانوں کو سنسکرت کے استعمال پر ترجیح دی۔ چودھویں صدی کے شروع میں امیر خسرو نے علاقائی زبانوں کی موجودگی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: ''اس زمانے میں ملک کے ہر صوبے میں اس کی ایک مخصوص زبان ہے، جو کسی دوسرے سے مستعار نہیں لی گئی ہے۔ سندھی، لاہوری، کشمیری کباری (جموں کے علاقے کی ڈوگری)، دُھر سمندری (کرناٹک کی کنڑ)، تیلنگی (تلگو)، گوجر (گجراتی)، ماباری (تامل)، گوری (شمالی بنگال) بنگالی، اودھ اور دہلی اور اس کے آس پاس بولی جانے والی (ہندوی)'' انہوں نے آگے بیان کیا'' یہ زبانیں زمانہ قدیم سے ہی زندگی کے عام کاروبار میں ہر طرح استعمال ہوتی رہی ہیں۔''

کچھ جدید علاقائی زبانیں، جیسے آسامی، اُڑیا، ملیالم وغیرہ کا ذکر نہیں ملتا۔ بہر حال خسرو نے اس اہم صورت حال، یعنی جدید علاقائی ہندوستانی زبانوں کی نشو نما کی طرف صحیح نشاندہی کی ہے۔ ان میں سے بہت سی زبانوں کا پختگی کی سطح تک پہنچ جانا اور ان کا ادبی تخلیقات میں استعمال ہونا عہد وسطی کی بڑی ممتاز اور قابل ذکر خصوصیت مانی جائے گی۔ اس کی وجوہات متعدد اور مختلف تھیں۔ ممکن ہے برہمنوں کی بالادستی اور حیثیت میں کمی آنے سے سنسکرت کی حیثیت میں بھی کسی قدر کمی آئی ہو۔ بھکتی سنتوں کی طرف سے علاقائی اور عام زبان کا استعمال بھی ان زبانوں کی ترقی کی ایک یقینی وجہ تھی۔ فی الحقیقت، ملک کے بہت سے علاقوں میں سنتوں سادھوؤں نے ہی ان زبانوں کو ادب کے سانچے میں ڈھالنا شروع کیا۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ترکوں کی آمد سے پہلے بہت سی علاقائی حکومتوں میں سنسکرت کے ساتھ تامل، کنڑ، مراٹھی وغیرہ بھی استعمال ہوتی تھیں۔ ترک حکومت کے دوران بھی یہ طریقہ جاری رہا ہوگا کیوں کہ ہمیں دہلی سلطنت میں ہندی جاننے والے محاسیوں (اکاؤنٹنٹس) کے تقرر کا ذکر ملتا ہے۔ بعد میں جب دہلی سلطنت منتشر ہوگئی، تب بھی انتظامی امور میں بہت سی علاقائی حکومتوں میں فارسی کے ساتھ علاقائی زبانوں کا استعمال جاری رہا۔ چنانچہ جنوبی ہندوستان میں وجے نگر کے حکمرانوں کی سرپرستی میں تلگو ادب کی نشو و نما ہوئی۔ مراٹھی بہمنی سلطنت کی انتظامیہ کی زبانوں میں سے ایک تھی اور اس کے بعد بیجاپور کے دربار میں بھی یہ صورت برقرار رہی۔ وقت کے ساتھ ساتھ جب یہ زبانیں ترقی کر کے ایک خاص درجے پر پہنچ گئیں تو کچھ مسلم حکمرانوں نے ان کے ادبی استعمال کے سلسلے میں بھی سرپرستی کی۔ مثال کے طور پر بنگال کے حکمراں نصرت شاہ نے رامائین اور مہابھارت کا بنگالی میں ترجمہ کروایا۔ اسی کی سرپرستی میں مالادھر باسو نے 'بھگوت' کا ترجمہ کیا۔ بنگالی شعراء کو اس کی جو سرپرستی ملی اس کا ذکر پہلے بھی کیا جا چکا ہے۔ صوفیوں کی موسیقی کی محفلوں میں بھکتی سنتوں کی ہندی نظموں اور گیتوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مشرقی اتر پردیش میں 'چنداین' کے مصنف ملا داؤد، ملک محمد جائسی وغیرہ نے ہندی میں ہی لکھا اور صوفیانہ تصورات اور خیالات کو اس انداز میں بیان کیا کہ انہیں عام آدمی سمجھ سکے۔ انہوں نے شاعری کی کچھ صنفوں جیسے مثنوی کو بھی عام کیا۔

7.3.4 فنون لطیفہ (Fine Arts)

ایک دوسرے کو سمجھنے، قربت اور میل جول کے رجحانات صرف مذہبی اعتقادات اور رسوم، طرزِ تعمیر اور ادب میں ہی نظر نہیں آتے بلکہ یہ فنون لطیفہ، خاص طور پر موسیقی کے میدان میں بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ ترک جس وقت ہندوستان آئے تھے تو انہیں موسیقی کی

بھرپور روایت عربوں سے ورثے میں مل چکی تھی جس کی ایران اور وسط ایشیا میں مزید نشو و نما ہوئی تھی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ نئے ساز بھی لائے تھے، جیسے رباب اور سارنگی اور کچھ نئے طرز اور اصول بھی اُن کے پاس تھے۔ بغداد کے خلفاء کے دربار میں ہندوستانی موسیقی اور موسیقاروں نے شاید وہاں موسیقی کی نشو و نما پر بھی اثر ڈالا تھا۔ بہر حال، ان دونوں کے درمیان باقاعدہ تعلق سلطنت دور میں ہی عمل میں آیا۔ امیر خسرو کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ خسرو جنہیں 'نایک' یعنی موسیقی کے اصول اور ریاض دونوں کے استاد کا خطاب دیا گیا تھا، انہوں نے بہت سے فارس۔ عرب راگ شروع کیے۔ جیسے ایمن، گورا (غارا) سنم وغیرہ۔ قوالی کی ابتدا بھی انہیں سے منسوب کی جاتی ہے۔ ستار کی ایجاد کا سہرا بھی انہیں کے سر رکھا جاتا ہے لیکن اس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ طبلے کو بھی اُن سے منسوب کیا جاتا ہے مگر اس کی نشو و نما غالباً سترھویں صدی کے آخری حصے میں یا اٹھارویں صدی کے شروع میں ہوئی تھی۔

موسیقی میں قربت اور تکمیل کا عمل فیروز کے عہد میں جاری رہا۔ اس کے عہد میں ہندوستانی کلاسیکی تحریہ 'راگ درپن' کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ موسیقی کی محفلیں صوفیوں کی خانقاہوں اور بسیروں سے باہر نکل کر امراء کے محلوں تک پہنچ گئیں۔ جونپور کا حکمراں سلطان حسین شرقی موسیقی کا بڑا مربی اور سرپرست تھا۔ اس دور کے سب سے بڑے موسیقار کے بعد صوفی پیر بودھن کو ہی اگلے نمبر پر مانا جاتا ہے۔ ایک اور علاقہ جہاں موسیقی کی زبردست آبیاری اور نشو و نما ہوئی وہ گوالیار کی ریاست تھی۔ گوالیار کا راجا مان سنگھ موسیقی کا زبردست دلدادہ تھا۔ 'مان کوتوہال' نام کی کتاب، جس میں مسلمانوں کی اختراع کی ہوئی تمام طرزوں کو جمع کیا گیا ہے، وہ اسی کی سرپرستی اور نگرانی میں تیار کی گئی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ شمال ہندوستان کی موسیقی کی طرز جنوبی ہندوستان کی طرز سے کب الگ ہوئی۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ طرز میں یہ فرق زیادہ تر شمالی ہندوستان میں فارس۔ عرب راگوں اور تالوں کی وجہ سے ہی پیدا ہوا۔

سلطنت کشمیر میں ایک بالکل الگ یا ممتاز طرز ابھرا جس پر ایرانی موسیقی کا زیادہ اثر تھا۔ جون پور کو فتح کرنے کے بعد سکندر لودی نے وہاں کی پرانی روایت، موسیقی کی سرپرستی کو بڑے شاہانہ انداز میں برقرار رکھا۔ بعد میں اسے افغان حکمرانوں نے بھی اپنایا اور اس روایت کو اور آگے بڑھایا۔ چنانچہ شیر شاہ کا جانشین عدالی خود موسیقی کا بڑا استاد تھا۔ بہر حال موسیقی کا نقطہ عروج مغل دور میں پہنچا۔

7.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

آٹھویں سے بارہویں صدی کا عہد ہندوستانی تاریخ میں ایک عبوری دور کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس عہد میں جس طرح سیاسی اور انتظامی میدان میں بہت سی تبدیلیاں واقع ہوئیں ویسے ہی سماج اور اور ثقافت بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ سماج میں سامنت وادی نظام یا بالفاظ دیگر جاگیرداری نظام کو عروج حاصل ہوا۔ حالانکہ یہ یورپی جاگیرداری کی طرح نہیں تھا اور نہ ہی یہاں مینر نظام اور وسائل پر جاگیردار کا کنٹرول تھا۔ زرعی جاگیرداری (Serfdom) کی جگہ یہاں وشٹھی یا بیگار کا نظام تھا، البتہ کسان کو اس کے ہل بیل اور زمین سے محروم نہیں رکھا جاتا تھا۔

سماج میں کئی طبقات تھے جن میں سب سے اوپر راجایا اس کے سامنت ہوا کرتے تھے۔ برہمنوں کو نظریاتی طور پر سب سے اونچا سمجھا جاتا تھا اور انہیں پہلے سے زیادہ مراعات بھی حاصل تھیں، پھر بھی وہ اپنی حفاظت کے لیے چھتریوں کے محتاج تھے، جیسا کہ اگنی کل نظریے سے معلوم ہوتا ہے جہاں برہمن وششٹھ یگیہ کی آگ سے چوہان، پرمار، چندیل اور چالوکیہ کو باہر نکالتے ہیں۔ سماج میں حاشیے پر نچلے طبقے، شودر، اچھوت اور انتیج یا ذات باہر لوگ تھے، جن کے کندھوں پر تمام اعلیٰ طبقات کی خدمت اور چاکری کرنا تھا۔ البیرونی نے چنڈالوں اور انتیج لوگوں کی بدتر حالت کا بذات خود مشاہدہ کیا ہے۔ پاکی اور ناپاکی کا تصور اس عہد تک آتے آتے اتنا سخت اور بے لچک ہو گیا تھا کہ برہمن کے کنویں سے نچلی ذات والا اگر پانی پی لیتا تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔

برہمنی نظام اس عہد میں بدھ مذہب اور جین مذہب پر مکمل غالب آچکا تھا اور اس کے بہت سے عناصر جیسے مورتی کی عبادت، مندر اور مجسموں کی تیاری وغیرہ بدھ مذہب سے لیے ہوئے تھے۔ پال حکمرانوں کی سرپرستی سے بدھ مذہب شمال مشرقی ہند میں زندہ تو تھا مگر وہ اب اپنی آخری سانسیں لے رہا تھا۔ برہمن یا ہندو مذہب کی شکتی کی عبادت اور بدھ مذہب کا تانتر مسلک ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو چکا تھا۔

سماج میں عورتوں کی حیثیت اور ان کے حقوق میں گراوٹ آئی تھی اور کئی سمرتی کے مفسرین نے بدچلن عورت کو کوڑے مارنے کی سزا سنائی تھی اور اس کا حق مرد کو دیا تھا۔ جائیداد اور ملکیت کے طور پر عورتوں کو بھی دان کیا جانے لگا جسے کنیا دان کہا جاتا تھا۔ عورتوں کو اغوا کر کے شادی کر لینے کی مثالیں اب عام ہو چکی تھیں جو پہلے کبھی کبھی نظر آتی تھیں۔ دشمن کو ہرا کر اس کی عورتوں پر قبضہ کر لینا مردانگی اور ہمت کا کام سمجھا جانے لگا۔ عورتوں کو گھونگھٹ ڈالنے اور پردہ کرنے پر زور دیا گیا۔ شوہر کے مرنے پر اس کی چتا میں جل جانا (ستی)، دشمن سے بچنے کے لیے خود کو جلا لینا (جوہر) بھی اب عام ہو چکا تھا۔ بیواؤں کی شادی پر سختی سے روک لگائی گئی۔ مجموعی طور پر عورتوں کی حالت پہلے سے بدتر ہو چکی تھی۔ البتہ اعلیٰ طبقے کی عورتوں کو کچھ حقوق حاصل تھے جیسے کی عطیہ دینا، مندر بنوانا اور تجارت میں حصہ لینا، لیکن یہ سب عام عورتوں کی حالت سے بہت دور کی بات تھی۔

اس عہد کے لوگوں کے لباس، رہن سہن اور زیورات میں تبدیلی آئی۔ اب یہ ہر شخص کی حیثیت پر منحصر تھا اور ہر ایک اپنے کو دوسرے سے بہتر دکھانے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ سامنتوں کی آپسی لڑائی اور رقابت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ جو گھوڑا دوسرے کے پاس ہے وہ میرے پاس کیوں نہیں ہے، اس پر بھی لڑ پڑتے تھے۔ نئے نظام میں پہلے کی سادگی کے بجائے سجنے دھجنے پر زیادہ زور دیا جانے لگا جس کا خمیازہ عام کسانوں اور مزدوروں کو جھیلنا پڑتا تھا۔

تعلیم کے میدان میں کافی ترقی دیکھنے کو ملی، حالانکہ برہمنوں کا زاویہ نظر البیرونی کے مطابق تنگ ہو گیا تھا اور وہ اپنے علم کو دوسرے لوگوں سے چھپانے پر زور دیتے تھے۔ اس سب کے باوجود متھرا، کشمیر اور بنارس تعلیم کے بڑے مراکز تھے اور یہاں علم و ادب سے متعلق بہت سی تخلیقات وجود میں آئیں۔

سنسکرت، عربی اور فارسی میں بہت سی تصنیفات لکھی گئیں اور کچھ پرانی کتابوں کے ترجمے بھی کیے گئے۔ اس کے علاوہ فنون

لطیفہ، تعمیرات اور موسیقی کے میدان میں ترقی دیکھنے کو ملتی ہے۔ بہت سے مندر اس عہد میں بنائے گئے جو پہلے کے مندروں سے شان وشوکت میں عظیم تھے اور ساتھ ہی راجا اپنے نام سے بہت مندر بنوانے لگے اور اسی کے حساب سے ان کی سرپرستی کرتے تھے۔

7.5 فرہنگ (Glossary)

رانک، راوت	راجپوتوں کے لیے فارسی مورخین کے ذریعے استعمال کیے جانے والے الفاظ
مکٹ	شاہی تاج، تمغہ
لیلاوتی	بھاسکر دوم کی ایک اہم درسی تصنیف جو 1150 میں لکھی گئی۔
ہندوی	ہندوستانی زبان

7.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

7.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. اس عہد کے مصنفین نے جاگیردار طبقے کے لیے کن الفاظ کا استعمال کیا ہے؟

(الف) ایرک، وشیہ پتی　(ب) سامنت، رنک، روت　(ج) منڈل، بھکتی　(د) گرامینی، مہاجن

2. اس عہد میں کون سی نئی ذات وجود میں آئی، جو سرکاری کام (لکھنے پڑھنے) سے وابستہ تھی؟

(الف) راجپوت　(ب) کائستھ　(ج) جولاہا　(د) سونار

3. کس عرب سیاح نے لکھا کہ راجا کی بیویاں کبھی کبھی اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی تھیں (ستی)، لیکن اس کا دارومدار ان کی اپنی مرضی پر ہوتا تھا؟

(الف) سلیمان　(ب) المسعودی　(ج) مارکوپولو　(د) البیرونی

4. گیارہویں صدی کے کس وسطی ایشیائی عالم نے ہندوستانی عالموں (برہمنوں) کی تنگ نظری اور علم چھپانے کی عادت پر تنقید کی؟

(الف) امیر خسرو　(ب) ضیاء الدین برنی　(ج) البیرونی　(د) فردوسی

5. کس شاعر نے فارسی کا ایک نیا طرز 'سبقِ ہندی' (ہندوستانی طرز) ایجاد کیا؟

(الف) فردوسی　(ب) سعدی　(ج) امیر خسرو　(د) ملاداؤد

7.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. اس عہد کے ذات پات کے نظام پر ایک مختصر نوٹ لکھیے۔
2. اس عہد میں عورتوں کی حالت کا مختصر جائزہ لیجیے۔

3. اس عہد میں لباس کھانا اور زیورات پر ایک نوٹ لکھیے۔

7.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. آٹھویں سے بارہویں صدی کے دوران ہندوستان میں عربی فارسی ادب کے ارتقا پر ایک مضمون لکھیے۔
2. تعلیم اور سائنس کی ترقی پر ایک تفصیلی مضمون تحریر کیجیے۔

اکائی 8۔ عرب

(The Arabs)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید
8.1 مقاصد
8.2 جزیرۃالعرب کا محلِ وقوع
8.3 جزیرۂ عرب کے جغرافیائی حالات
8.3.1 آب وہوااور موسم
8.4 اقوام عرب
8.4.1 عربِ بائدہ
8.4.2 عربِ عاربہ
8.4.3 عربِ مستعربہ
8.5 عربوں کی سماجی حالات
8.6 عربوں کے سیاسی حالات
8.7 عربوں کے مذہبی حالات
8.8 عربوں کی تہذیب اوران کا تمدن
8.9 عرب وہند کے تعلقات
8.10 اکتسابی نتائج
8.11 فرہنگ
8.12 نمونہ امتحانی سوالات

8.0 تمہید (Introduction)

عرب علمائے انساب کا ماننا ہے کہ عرب نسلی اعتبار سے دو اشخاص عدنان اور قحطان کی اولاد ہیں۔ کچھ دانشور قحطان کو حضرت اسماعیل کی اولاد کہتے ہیں اور کچھ لوگ انہیں سام بن نوح کی اولاد مانتے ہیں۔ ایک تیسری اہم شخصیت قضاعہ کا بھی ذکر ملتا ہے جسے کچھ ماہرین معد بن عدنان اور کچھ مالک بن حمیر سے منسوب کرتے ہیں۔ ابنِ حزم کے مطابق قضاعہ کا جائے مسکن شام تھا اور اس نسل کے لوگ معدوم ہو چکے ہیں البتہ قحطان اور عدنان کی نسلیں باقی ہیں جن سے " جزیرۃ العرب" آباد ہے۔ اپنے تاریخی سفر میں یہ لوگ مختلف قبائل میں بٹتے رہے۔ وقت کے ساتھ ان میں آپسی میں جول بھی بڑھا۔ ان میں سے کچھ نے تہذیب و تمدن کے اعلیٰ نمونے بھی چھوڑے جن کے آثار و باقیات یمن کے پہاڑی کھنڈروں، محلوں اور پلوں کی شکل میں موجود ہیں جو ان کے عزم و حوصلے اور حسنِ تخیل کا پتہ دیتے ہیں۔ عربوں نے بڑی بڑی جنگیں لڑیں، اور اپنی فتوحات کے ذریعہ کئی اہم بادشاہتیں اور ریاستیں قائم کیں۔ وہ قانونی تصورات اور اخلاقی اصولوں سے آشنا تھے۔ صنعت و حرفت، شجاعت و بہادری، تجارت و معیشت کے میدان کے ماہر شناور تھے۔ ان کی تجارتی سرگرمیوں کا محور بحر احمر اور بحرِ ہند کی ساحلی بندرگاہیں تھیں جو بین الاقوامی تجارت کی شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی۔ عرب تاجر، ملاح اور ان کے تجارتی بیڑے قدیم دنیا کی متمدن اقوام میں بڑی شہرت کے حامل تھے۔ انہوں نے سینچائی اور آب رسانی کے بڑے بڑے منصوبے بنائے تھے۔ جن کے باقیات دیکھ کر ان کی اعلیٰ ہنرمندی اور قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ عربوں کی خوش حالی کا ذکر "ہیروڈوٹس" "ڈائیڈورس" اور "اسٹرابیو" نے بھی کیا ہے۔ یونانی اور رومی ہمیشہ ان کی طرف للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے تھے۔ جزیرۃ العرب پر سکندر کے حملے کی وجہ بھی غالباً عربوں کی ناموری اور شہرت تھی۔ عربوں کی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے مورخین نے کئی اہم ماخذوں کا مطالعہ کیا اور ان اقوام کی تاریخ استفادہ کیا جو عربوں کے ہمسایہ تھیں۔ ہمیں ایرانیوں کی قدیم تاریخ کے ان اہم پہلوؤں کا جائزہ لینا چاہئے جن کا تعلق براہِ راست عربوں سے تھا۔ اس سلسلہ میں پہلوی زبان کے کتبے اور دستاویزات بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ عراق میں قائم اشوری سلطنت کے کتبے قدیم عرب کے کچھ اہم سیاسی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان سے ہمیں عرب قبائل اور ان کے سرداروں کے ناموں کی جانکاریاں ملتی ہیں۔ علاوہ ازیں ہمعصر اقوام کی تاریخی نگارشات سے شام کی سرحدوں پر آباد عربوں کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ رومی اور یونانی مورخین کی کتابوں میں بھی " جزیرۃ العرب" سے متعلق ایسے واقعات ملتے ہیں جن کا تعلق تیسری صدی قبل مسیح کے حالات سے ہے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ

- عرب کے محلِ وقوع اور اس کے جغرافیائی حالات کو جان سکیں گے۔
- عرب اقوام اور اس کے باشندوں سے واقف ہو سکیں گے۔
- عربوں کے سیاسی اور سماجی حالات کا جائزہ لے سکیں گے۔

- عربوں کے مذہبی خیالات عقائد و نظریات سے واقف ہو سکیں گے۔
- عربوں کے تہذیب و تمدن پر گفتگو کر سکیں گے۔
- عرب و ہند کے تعلقات پر روشنی ڈال سکیں گے۔

8.2 جزیرہ عرب کا محلِ وقوع

ملکِ عرب یا خطہ عرب سے مراد وہ جگہ یا علاقہ جہاں کی اکثریت عربی زبان بولنے والوں کی ہے۔ عرب اقوام کرہ ارض کے جس حصہ پر آباد ہیں اس کو ''جزیرۃ العرب'' یا ''جزیرہ نمائے عرب" کہتے ہیں۔ اس کے تین طرف پانی اور ایک طرف خشکی ہے۔ یہ جزیرہ نما برّاعظم ایشیاء کے جنوب مغرب میں اس مقام پر واقع ہے جہاں ایشیا اور افریقہ کی حدود آپس میں ملتی ہیں اور وہاں سے یوروپ خشکی اور تری دونوں راستوں سے بہت قریب ہے۔ عہدِ قدیم کے لوگ انہیں تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یوروپ سے ہی واقف تھے۔ جزیرۃ عرب کے ذریعہ ہی ان تینوں براعظموں پر آسانی سے رسائی ممکن تھی۔ الغرض جغرافیائی اعتبار سے عرب کو دنیا کے نقشہ پر انتہائی مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس خطہ کی مرکزی اہمیت کی وجہ سے ہی غالباً اسے مذہب اسلام کی دینی تعلیمات کے لیے منتخب کیا گیا تھا۔ آج بھی یہ علاقہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کا مرکز ہے۔ اس علاقے کے حدود اربعہ اس طرح ہیں کہ مشرق میں خلیج فارس اور بحر عمان، جنوب میں بحر عرب یا بحر ہند، مغرب میں بحر احمر یا بحر قلزم اور اس کی شمالی سرحدیں شام اور عراق سے ملتی ہیں۔

8.3 جزیرۂ عرب کے جغرافیائی حالات

جزیرہ عرب کا بڑا حصہ ریگستان پر مشتمل ہے جہاں پر کوئی آبادی نہیں ہے۔ اس کا شمالی علاقہ زیادہ عرصہ دراز تک بے آب و گیاہ تھا۔ جب کہ جنوبی علاقہ میں اتنی بارش ہو جاتی تھی کہ باقاعدہ کھیتی باڑی اور زراعت کی جاسکے۔ اس جزیرہ نما کے اندر پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے جسے ''کوہ سراۃ'' کہتے ہیں۔ یہ سلسلہ شام کی سرحدوں سے جاملتا ہے۔ عراق کے دو دریاؤں دجلہ اور فرات کے علاوہ یہاں کوئی بڑا دریا نہیں ہے۔ اس کے زیادہ تر پہاڑ خشک ہیں لیکن کہیں کہیں چشمے بھی ملتے ہیں۔ انہیں چشموں پر قبضہ کے لیے عربوں میں اکثر لڑائیاں ہوتی تھیں۔ بارش عموماً کم ہوتی ہے۔ بارش ہو تو اس کا پانی نشیبی علاقوں میں بہہ کر کھیتوں میں پہونچ جاتا ہے۔ عرب کے جنوبی علاقوں میں جہاں جہاں آب پاشی کا تھوڑا بہت انتظام ہے وہاں گیہوں، جو، لوبیا وغیرہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ کچھ علاقوں میں سبزیاں بھی اگائی جاتی ہیں۔ طبعی لحاظ سے اس ملک کے پانچ حصے ہیں۔ (1) تہامہ (2) حجاز (3) نجد (4) یمن (5) عروض۔

تہامہ: وہ حصہ جو بحر قلزم کے سواحل سے کوہ سراۃ تک واقع ہے۔ چونکہ یہ نشیبی علاقہ ہے اس وجہ سے اسے ''غور'' کہتے ہیں نیز اس علاقے میں گرمی زیادہ پڑتی ہے۔ اس لیے اسے تہامہ ''یعنی پیاس لگنے کی جگہ" بھی کہتے ہیں۔

حجاز: سراۃ کے کوہستانی سلسلہ کو کہتے ہیں۔ جو یمن سے شروع ہو کر شام تک چلا گیا ہے۔ چونکہ یہ نجد اور تہامہ کے درمیان حدّ فاصل کا کام کرتا ہے اس وجہ سے اسے حجاز کہتے ہیں۔

نجد: اسی کوہستان کے مشرقی حصہ کو کو یمن سے شروع ہو کر سماوہ اور عراق تک پہونچتا ہے۔ چونکہ یہ حصہ کچھ ابھرا ہوا ہے اس لیے اسے نجد کہتے ہیں۔

یمن: وہ قلعہ ہے جو نجد کے جنوب سے بحر ہند کے ساحل تک اور مشرق میں حضر موت اور عمان تک پھیلا ہوا ہے۔

عروض: بلاد یمامہ اور بحرین وغیرہ کو کہتے ہیں۔

8.3.1 آب وہوا اور موسم

جزیرہ نما عرب میں بارش کم ہوتی ہے۔ وہاں کی زمینیں بیشتر ریگستانی ہیں۔ عرب میں کوئی مشہور اور قابل ذکر ندی یا دریا نہیں ہے۔ پہاڑ بھی بہت کم ہیں اور جو ہیں بھی ان میں روئیدگی نہیں ہے۔ انہیں میں سے جابجا کچھ چشمے نکلتے ہیں۔ جن کی وجہ سے کہیں کہیں سرسبزی و شادابی نظر آجاتی ہے۔ ایسے ہی مقامات پر لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ ورنہ اس ملک کا زیادہ تر حصہ پانی سے خالی اور غیر آباد ہے۔ یمن کا خطہ نسبتاً زیادہ سرسبز و شاداب ہے۔ اس میں نخلستان اور کھیتیاں بھی ہوتی ہیں طائف بھی ایک شاداب علاقہ ہے۔ ملک عرب کی آب وہوا گرم اور خشک ہے۔ یہاں دھوپ بڑی شدت سے پڑتی ہے۔ اس وجہ سے یہاں پر لو بہت تیز چلتی ہے جسے باد سموم (زہریلی ہوا) کہتے ہیں۔ حجاز کے نشیبی علاقوں کا درجۂ حرارت 80 ڈگری ہے لیکن کچھ علاقوں میں باد صبا کے لطیف جھونکے بھی آتے ہیں۔ یمن اور اس کے آس پاس کا جنوبی علاقہ سب سے زیادہ شاداب تھا جہاں عرب کے مشہور و قدیم شہر آباد ہیں۔ یمن عہدِ قدیم سے ہی تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے جہاں پر تاریخ کی چند ممتاز اور مشہور قومیں ابھریں۔ نجران یمن کا ایک مشہور شہر ہے۔ یمن کا دوسرا شہر ''صنعاء'' تھا اس کے شمال میں مأرب کا وہ مشہور شہر تھا جسے سبا بھی کہتے ہیں۔ مشہور ''ملکۂ صبا'' یہیں کی رہنے والی تھی یہیں پر وہ مشہور بند تھا جس کا ذکر قرآن پاک میں ''سدّمأرب'' کے نام سے آیا ہے۔ سبا، معین، حضر موت اور قتبان عرب کی چار اہم حکومتیں تھیں۔ جن کا تذکرہ عہد نامۂ قدیم میں بھی آیا ہے۔ غرض یہ کہ جزیرہ نمائے عرب ایک ایسا جزیرہ ہے جہاں مختلف موسم، مختلف آب وہوا اور مختلف طرز زندگی پائی جاتی ہے۔ اس جزیرہ میں جو قوم رہتی ہے اسے ''عرب قوم'' کہتے ہیں۔

8.4 اقوام عرب

مورخین اقوام کے نزدیک عرب قوم سامی اقوام کی ایک شاخ ہیں۔ جو کہ حضرت نوح کے بیٹے سام بن نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ ماہرین انساب نے انہیں تین زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

8.4.1 عرب بائدہ

عربِ بائدہ (فدائے عرب) یعنی عرب کے وہ قدیم باشندے جو پہلے اس ملک میں آباد تھے مگر بعد میں اپنی سرکشی کی بنیاد پر صفحۂ ہستی سے مٹادیے گئے۔ اب ان کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ ان کے متعدد قبیلے تھے۔ عاد، ثمود، عمالقہ، طسم، جدیس، جرہم، حضر موت اور عملیق وغیرہ

تھے۔ان میں سے قومِ عاد اور ثمود کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔ارشاد ہے (فَاَمَّا ثَمُودُ فَاُهۡلِكُوۡا بِالطَّاغِيَةِ۝وَاَمَّا عَادٌ فَاُهۡلِكُوۡا بِرِيۡحٍ صَرۡصَرٍ عَاتِيَةٍ)۔ان لوگوں نے عراق سے لے کر مصر اور شام تک بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں۔ بابل اور اشور کی حکومت اور قدیم تمدن کے بانی یہی لوگ تھے۔اگرچہ ان کے مفصل حالات کا ذکر تاریخوں میں موجود نہیں ہے مگر اب بابل، مصر، یمن اور عراق کے آثار قدیمہ کی کھدائیوں سے ان کے بارے میں قابل قدر انکشافات ہو رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں ان کے بارے میں نئی اور چونکا دینے والی معلومات سامنے آئیں اور ان سے ہمیں کچھ نئی معلومات حاصل ہوں۔

8.4.2 عرب عاربہ

عرب کے وہ باشندے جو نسلاً یعرب بن قحطان کی اولاد میں سے ہیں۔اور جنہیں توراۃ میں یارح بن قحطان کے نام سے پکارا گیا ہے۔ عرب عاربہ کو بنو قحطان بھی کہا جاتا ہے۔یہ حضرت نوح علیہ سلام کے بیٹے سام بن نوح کی اولاد سے ہیں قحطان حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا تھا جس کے نام پر یہ لوگ بنو قحطان یا قحطانی کہلائے۔یہ لوگ یمن اور اس کے قرب وجوار میں آباد تھے۔بنو جرہم اور بنو یعرب انہی کی شاخیں ہیں۔ بنو یعرب میں سے عبدِ شمس جو سبائی کے نام سے مشہور ہے یمن کے تمام قبیلوں کا جد امجد ہے۔اسی نے یمن کا مشہور شہر معارب بسایا تھا اور وہاں تین پہاڑیوں کے درمیان میں ایک بہت بڑا بند باندھا تھا۔اس بند میں بہت سے چشموں کا پانی آکر جمع ہوتا تھا جس سے بلند مقامات کے کھیتوں اور باغوں کو سیراب کیا جاتا تھا۔یہ بند کچھ مدت بعد کمزور ہو کر ٹوٹ گیا تھا جس سے سارے ملک میں بہت بڑا سیلاب آگیا تھا اس سیلاب کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے اور عرب کی کہانیوں اور شعروں میں بھی جابجا موجود ہے۔اس سیلاب سے تباہ ہو کر یمن کے اکثر خاندان دوسرے مختلف مقامات پر جا بسے تھے۔ عربی زبان کے اصل بانی یمنیوں کے یہی بزرگ تھے جو اپنے دور میں کافی مشہور تھے۔

ابتداء میں یہ لوگ یمن کے علاقے میں آباد ہوئے مشہور ملکہ سبا یعنی حضرت بلقیس کا تعلق بھی بنو قحطان کی ایک شاخ سے تھا۔کچھ دنوں کے بعد بنو قحطان کو سرزمین عرب کے دوسرے علاقوں میں نقل مکانی بھی کرنا پڑی۔اس کی ایک وجہ تو وہ مشہور سیلاب ہے جو "مارب بند" ٹوٹ جانے کی وجہ سے آیا جس کے نتیجے میں ان لوگوں کو جان بچانے کے لیے دوسرے علاقوں کا رخ کرنا پڑا جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے۔دوسری وجہ یہ کہ جب ان کی آبادی بڑھی تو مجبوراً ان کے مختلف قبائل کو یمن سے نکل کر اپنے لیے نئے علاقے تلاش کرنے پڑے جس کے نتیجے میں یہ لوگ جزیرہ نما عرب کے طول وعرض میں پھیل گئے۔کچھ قبائل شام، ایران اور عرب کے سرحدی علاقوں کی طرف بھی نکل گئے اور وہاں اپنی آبادیاں قائم کیں۔قحطانیوں کا ایک قبیلہ بنو جرہم مکہ کی طرف جانکلا اور زم زم کے چشمے کی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ سلام کی زوجہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کی اجازت سے وہاں آباد ہو گیا تھا۔

بنو قحطان کا ہی ایک قبیلہ بنو ازد کا بھی تھا۔اس کا سردار ثعلبہ اپنے قبیلہ کے ساتھ یثرب (مدینہ) کی طرف آیا اور یہاں پر آباد بنی اسرائیل کو مغلوب کر لیا۔انہوں نے یہاں پر اپنے قلعے بنائے اور نخلستان لگائے۔مدینہ کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج کا تعلق اسی قبیلے سے تھا جن کا تاریخ اسلام میں بہت اونچا مقام ہے۔ان دونوں قبائل کی پشتینی لڑائیوں کو ختم کرنے کا سہرا پیغمبرِ اسلام کو جاتا ہے۔ان دونوں قبائل

نے آپس میں شیر و شکر ہو کر اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دیں۔

8.4.3 عرب مستعربہ

عربِ مستعربہ کو بنو عدنان بھی کہتے ہیں۔ یہ حجاز کے وہ عرب ہیں جو عدنان کی نسل سے ہیں۔ اور عدنان حضرت اسمعیل کی اولاد میں سے تھے۔ ان کو مستعربہ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے عربی زبان قبیلہ جرہم سے سیکھی تھی۔ اسی وجہ سے ان کو مستعربہ یعنی (عرب بنی ہوئی) قوم کہا جاتا ہے۔ یہ حجاز اور نجد وغیرہ کے باشندے۔ ان میں بہت سے قبیلے ہیں جن میں، ربیعہ اور مضَر مشہور ہیں۔ مضَر ہی کی ایک شاخ قریش بھی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی۔ سرزمین عرب پر سب سے آخر میں آباد ہونے والے بنو اسمائیل ہی تھے جن کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم پر اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور شیر خوار بیٹے حضرت اسمائیل علیہ السلام کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی میں تن و تنہا چھوڑ کر خود واپس چلے گئے۔ یاد رہے کہ اس وقت نہ مکہ کی آبادی تھی اور نہ ہی خانہ کعبہ کا وجود۔ خانہ کعبہ ویسے تو حضرت آدم علیہ السلام کے وقت تعمیر ہوا مگر خانوادہ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے وقت وہ تعمیر معدوم ہو چکی تھی اور پھر بعد میں جب حضرت اسمائیل علیہ السلام کی عمر 15 سال کی تھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے تھے اور ان دونوں باپ بیٹے نے مل کر اللہ کے حکم پر اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کی رہنمائی اور نگرانی میں خانہ کعبہ کو انہی بنیادوں پر از سر نو تعمیر کیا جن پر کبھی حضرت آدم علیہ السلام نے بنایا تھا۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں کی یہی دو اقوام (عربِ عاربہ اور عربِ مستعربہ) عرب میں موجود تھیں۔ ان کے علاوہ چند یہودی قبائل بھی تھے جو مدینہ اور خیبر کے علاقوں میں آباد تھے۔

عربوں کا نظام زندگی اور طرزِ حیات

ماہرینِ علمِ الاقوام نے سکونت، رہائش اور طرزِ حیات کے اعتبار سے بھی عربوں کو دو زمروں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ عرب جو خانہ بدوشیانہ زندگی بسر کرتے تھے دوسرے وہ جو شہروں میں سکونت پذیر تھے اول الذکر کو "بدوی عرب" اور موخر الذکر کو "حضری عرب" کہا جاتا ہے۔ انہیں عربی زبان میں "اھل الوبر" اور "اھل المدر" بھی کہا جاتا ہے۔ پروفیسر عبدالحلیم ندوی نے بھی سماجی اور معاشرتی اعتبار سے عربوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ہے۔ ا۔ بادیہ نشین، یعنی بدوی عرب ۲۔ شہروں میں رہنے والے یعنی حضری عرب

بدوی یا بدّو عرب

بدو یعنی بادیہ نشین جو آسمان کی کھلی چھت کے نیچے کھلے ہوئے وسیع بیابانوں میں جہاں سبزہ اور پانی پاتے اپنے اونی اور چرمی خیمے لگا کر قیام پذیر ہو جاتے اور جب اس جگہ پر ان کے مویشیوں اور جانوروں کا چارہ ختم ہو جاتا تو اپنے خیمے اور ساز و سامان اٹھا کر دوسری چراگاہوں کی تلاش پر نکل پڑتے۔ ان کی طبیعت میں سادگی اور مزاج میں تندی اور گفتگو میں سختی ہوتی ہے۔ ان کی زندگی کا دار و مدار ان کے جانوروں پر تھا۔

جو اونٹ، بکری اور گھوڑے اور گدھے تک محدود تھے۔ یہ لوگ خانہ بدوش تھے۔ چراگاہوں اور سبزہ زاروں کی تلاش میں ادھر اُدھر منتقل ہوتے رہتے تھے۔ ان خانہ بدوش عربوں کی غذا عموماً اپنے جانوروں اونٹ اور بکری کا دودھ گوشت اور کھجور ہوتی تھی۔

حضری عرب

حضری عربوں سے مراد وہ عرب تھے جو شہروں، قصبوں اور بستیوں میں رہائش پذیر تھے۔ بدوؤں (بادیہ نشینوں) کے مقابلہ میں ان کی تعداد کم تھی لیکن انہوں نے تہذیبی اور معاشرتی کردار کو فروغ دینے میں اہم کارنامہ ادا کیا تھا۔ انہوں نے سیاسی، سماجی اور معاشرتی سطح پر ایک بہترین شہری سماج کی بنیاد ڈالی۔

8.5 عربوں کی سماجی حالت

بدوی سماج کا نظامِ حیات قبیلائی سماج پر مبنی تھا۔ جہاں کسی ایک دادا کی اولادیں ایک قبیلہ بن گئیں۔ ہر قبیلہ کی قیادت ایک سردار کرتا تھا جسے شیخ کہا جاتا تھا۔ شیخ یعنی سردار کا انتخاب اس کی خاندانی نسبت، بہادری، دانشمندی، اور مروت پر ہوتا تھا۔ ان میں سے جو شخص عقلمند، قابل اور سیانا ہوتا اسے شیخِ قبیلہ منتخب کیا جاتا تھا۔ بارش کی قلت کی وجہ سے عرب میں کھیتی باڑی کا رواج کم تھا۔ اس لیے زیادہ تر لوگوں کا عام پیشہ تجارت تھا۔ بدو تجارت کا سامان اپنے اونٹوں پر لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لاتے اور لے جاتے اور مزدوری حاصل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ بھیڑ، بکریاں، اونٹ اور گھوڑے پال کر انہیں فروخت کرتے اور پیسہ کماتے۔ اسلام کی آمد سے قبل عرب قبائل ہمیشہ جنگ وجدال میں مصروف رہتے تھے۔ لوٹ مار، قتل و غارت گری ان کا پیشہ تھا۔ ان جنگوں کے جہاں برے اثرات مرتب ہوئے وہیں اچھے اثرات بھی مرتب ہوئے۔ بدویانہ زندگی گذارنے کی وجہ سے وہ سیر و شکار کے بھی شوقین تھے۔ اونٹ ان کی زندگی کی ریڑھ کی ہڈی تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ اس کا گوشت کھاتے، دودھ پیتے، اس پر سفر کرتے، اس سے سامان ڈھوتے اور اس کی کھال اور اون سے اپنے کپڑے اور خیمے بناتے۔ انہیں اونٹوں کے بدلے میں لین دین کرتے، ان کے بدلے میں اپنے قیدیوں کو چھڑاتے، مقتولین کا فدیہ دیتے اور انہیں کو مہر میں پیش کر کے شادی کرتے۔ الغرض یہ کہ اونٹ ان کی زندگی کا وہ گراں قدر سرمایہ تھا جس کے بغیر ان کی زندگی مشکل تھی۔

عرب گھوڑوں کو بھی بڑے شوق سے پالتے تھے۔ خالص گھوڑوں کی افزائش نسل کے خیال سے ان کا شجرۂ نسب یاد رکھتے تھے۔ چنانچہ اس دور میں اور اس کے بعد بھی عربی گھوڑوں کی دنیا کے بہت سے علاقوں میں خاص کر ایشیا میں بہت مانگ تھی۔ غریبی اور بھوک مری بھی ان میں تھی۔ واضح رہے چونکہ اس وقت اس میں کوئی خاص قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ اس وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کی معاشی حالت میں کوئی خاص سدھار آیا ہوگا۔ چنانچہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ان میں غربت وافلاس اور بھوک مری رہی ہوگی جس کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے۔ ''لَا تَقْتُلُوا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَاِیَّاکُمْ ''، لیکن موجودہ عہد میں حالات یکسر بدل گئے ہیں۔ خشک پہاڑوں اور نیم بنجر صحرائی علاقوں میں تو کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی ہے لیکن کویت، نجد، بحرین اور دوسرے خطوں میں تیل کے ایسے نایاب ذخیرے

دریافت ہو گئے ہیں جن کی وجہ سے وہاں آج دولت وثروت کی بے حد فراوانی ہے۔آج وہاں پر ایک ایسے نئے تمدن نے جنم لیا ہے جس میں آرام وآسائش کی تمام سہولتیں موجود ہیں۔ سڑکوں کا جال بچھ چکا ہے موٹریں ریل اور کاریں چلنے لگی ہیں۔ کہیں کہیں ریلوے کا نظام بھی قائم ہو گیا ہے۔ تیل نکالنے والی کئی ملکی اور غیر ملکی کمپنیوں نے جابجا نئے نئے شہر آباد کر دیے ہیں۔ان میں عربوں کے لیے آرام وآسائش کے تمام سامان مہیا ہیں۔ عربوں کے قدیم معاشرہ میں شراب اور جوا عام تھا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ جاہلی عہد کی شاعری میں بار بار آتا ہے۔انہیں کی شراب کی محفلوں میں گانے کی ایجاد ہوئی، جسے خاص قسم کی لونڈیاں گایا کرتی تھیں۔مذہب اسلام کی اخلاقی تعلیمات نے ان کو سماجی برائی قرار دیتے ہوئے اس پر سخت پابندیاں عائد کیں۔اسلامی عہد میں ان پر سختی سے عمل کیا گیا، لیکن موجودہ عہد میں کئی عرب ملکوں میں ان سے بے اعتنائی برتی جارہی ہے۔

فال نکالنا

اسلام کی آمد سے پہلے جسے کچھ مورخین دور جاہلیت کہتے ہیں عرب میں تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت جاننے کا رواج عام تھا۔ وہ اپنے ترکش میں دو طرح کے تیر رکھتے تھے ایک پر ''نعم''(ہاں) لکھا ہوتا اور دوسرے پر ''لا''(نہیں) لکھا ہوتا تھا۔ کسی کام پر جانے کے لیے یا کوئی اہم کام شروع کرنے سے پیشتر وہ اپنے اسی ترکش سے تیر نکالتے اگر ہاں والا تیر نکلتا تو وہ اسے اچھا سمجھتے اور اس کام کو انجام دیتے۔اور اگر نہیں کا تیر نکلتا تو اس کام کو کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔ شریعت اسلامیہ نے استقسام بالازلام تیروں کے ذریعہ قسمت آزمانے کو حرام قرار دیا۔آج عرب معاشرہ میں اس کا وجود نہیں ہے

غذا

جاہلی عرب بدؤں کی زندگی کا دارومدار مویشی پالن ہوتا تھا۔اور وہ اونٹ کا دودھ اور گوشت نیز بکری کے دودھ، گوشت اور کھجور پر اپنا گذارا کرتے تھے۔روٹی زیادہ تر جو کی ہوتی تھی۔ گیہوں مالداری کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ ترکاریاں بھی پائی جاتی تھیں۔لوکی کی سبزی اللہ کے رسول ﷺ کو بہت پسند تھی۔ سرکہ بھی پایا جاتا تھا۔موجودہ عہد میں تیل کی دولت کی فراوانی نے انہیں دنیا کی تمام آسائشوں سے مالامال کر رکھا ہے۔

نقدی سکے

عربوں میں تمدن کم ہونے کی وجہ سے نقدی کا استعمال کم ہوتا تھا۔ اشیاء کے تبادلہ سے کام چل جاتا تھا۔ عام طور پر قیمتی اشیاء اور معاملات میں اونٹ کو سکہ کی حیثیت حاصل تھی۔ دیت میں بھی اونٹ ہی دیے جاتے تھے۔ ایک دیت سکوں میں آٹھ ہزار درہم مقرر تھی۔ سکے روم اور فارس کے ڈھلے ہوتے تھے اور درآمد کیے جانے والے مال کی طرح ان کا استعمال ہوتا تھا۔چاندی کے سکوں کے لیے ورق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو قرآن مجید میں بھی آیا ہے ''فَابْعَثُوٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ''(سورۃ الکھف) جب اصحاب کہف نے آپس میں کہا کہ کسی کو اپنے اس سکے کے ساتھ بھیجو۔ ظہور اسلام کے وقت عربوں کے یہاں مستعمل سکے عام طور پر درہم اور دینار تھے جن کی قیمتوں کا تناسب ایک دس کا

تھا۔

ناپ تول اور پیمانے

چونکہ مکہ ایک تجارتی شہر تھا اور کے زیادہ تر باشندے تجارت پیشہ تھے اور وہاں تجارت کا بڑا رواج تھا اور مدینہ نخلستانی علاقہ تھا چنانچہ یہاں پر زراعت کا رجحان زیادہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ میں وزن کے پیمانوں کا استعمال زیادہ تھا اور مدینہ میں ناپ تول یعنی مکیال کا رواج زیادہ تھا جس کے بارے میں قرآن شریف میں آیا ہے: ''اَوۡفُوا الۡکَیۡلَ اِذَا کِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِیۡمِ '' پیمانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں کچھ فرق بھی تھا اس وجہ سے وزن میں مکہ کا اور ناپ میں مدینہ کا صاع معتبر مانا گیا تھا۔

8.6 سیاسی حالت

اسلام کی آمد سے پہلے کبھی بھی پورا عرب کسی ایک حکومت کے ماتحت متحد نہیں تھا۔ عرب کے بعض مقامات پر تو کسی بھی طرح کی کسی بھی طرز کی حکومت کا کوئی نشان نہیں ملتا ہے۔ دور جاہلیہ میں شمالی عرب میں کچھ ریاستیں ایسی ضرور تھیں جو فارس اور روم کے ماتحت تھیں۔ اس کے علاوہ سبھی لوگ آزادانہ زندگی گذارتے تھے ان کے درمیان بڑی خوں ریز لڑائیاں ہوتیں جو کہ جانوروں، چراگاہوں اور چشموں کے اقتدار کے سوال پر ہوتی تھیں۔ ان میں لوٹ مار اور قتل وغارت گری کے کافی مواقع ملتے تھے۔ حالانکہ بدو یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی لڑائی میں کسی کا قتل ہو۔ لڑائیوں میں اتنا خون خرابہ نہیں ہوتا تھا جتنا کہ شاعروں نے اپنی شاعری میں مبالغہ آرائی کرتے تھے۔ پھر بھی آپسی لڑائیوں کے ذریعہ عرب اپنی آبادی کے بڑھانے میں پابندی کرتے تھے۔ بدو پیٹ بھر کھانا نہیں کھا سکتے تھے، پھر بھی لڑائی کرنے کے لیے آپس میں تیار رہتے تھے۔ بدوں کی زندگی میں مذہبی، سماجی نظریات میں خاندانی دشمنی کا جذبہ سب سے زیادہ طاقتور تھا۔

عرب اقوام میں سے کسی قبیلے کا رہنما شیخ کہلاتا تھا جس کے لیے اس قوم کے سبھی لوگ وفاداری کا جذبہ رکھتے تھے۔ ایک ہی قوم کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کا رشتہ رکھتے تھے۔ مختلف اقوام کے ممبر ایک دوسرے کے ساتھ دشمنی برتتے تھے۔ عرب اپنی قوم کی عزت اور انا کے لیے سب کچھ یہاں تک کہ اپنی زندگی بھی قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ دور جاہلیہ میں شب و روز اس طرز کے واقعات و حادثات پیش آتے رہتے تھے۔ پہلے دو قبیلوں کے کچھ تھوڑے سے لوگوں کے بیچ مار پیٹ ہوتی تھی۔ اس کی وجہ سرحد پر کے جھگڑے یا کسی کی ذاتی بے عزتی ہوتی تھی۔ پھر ان تھوڑے سے لوگوں کے بیچ جھگڑا قوم کے بیچ لڑائی کی شکل اختیار کر لیتا تھا۔ ان لوگوں کے بیچ کا جھگڑا کسی نیوٹرل گروہ کی مداخلت سے ختم ہوتا تھا، جس قوم کے لوگوں میں سے کم لوگ لہولہان ہوتے تھے۔ اسے مدمقابل کو بڑی تعداد میں لہولہان اس کے لوگوں کے لیے معاوضے کے طور پر رقم دینی پڑتی تھی عوام کی قوت برداشت اپنی قوم کے مارے گئے سورماوؤں کی کہانیوں کو صدیوں تک زندہ رکھتی تھی۔

عربوں میں کسی مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ قومیں ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ برسرِپیکار رہتی تھیں۔ یہ لڑائیاں

بہت ہی معمولی وجوہات کو لے کر ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی تو یہ لڑائیاں برسوں تک چلتی تھیں۔ بوات کی لڑائی کا معاملہ کچھ ایسا ہی تھا۔ یہ لڑائی مدینہ کی دو قبیلوں اوس اور خزرج کے بیچ محمد کے اس شہر میں آنے سے پہلے کچھ سالوں تک چلی تھیں۔ اسے ''الفجار'' کہا جاتا تھا کہ یہ لڑائی دو قوموں کے بیچ رمضان کے مہینے میں ہوئی جس وقت میں لڑائی جھگڑے پر پابندی لگی رہتی ہے۔ اس لڑائی میں ایک طرف پیغمبر محمد کا خاندان قریش اور ان کے حلیف تھے۔ اور دوسری طرف بنی حوازن تھے۔ اس طرح کی چار لڑائیوں میں سے ایک لڑائی میں ایک نوجوان کی شکل میں محمد نے حصہ لیا تھا۔

ابتدائی لڑائیوں میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مشہور لڑائی ''بعث'' کی جنگ تھی جو کہ شمال مشرقی عرب کے دو قبیلوں ''بنو بکر'' اور ''بنو تغلب'' کے بیچ پانچویں صدی کے آخر میں ہوئی۔ یہ لڑائی ایک اونٹنی کو لے کر ہوئی۔ یہ اونٹنی ''بعث'' نامی ایک خاتون کی تھی جسے ''بنو تغلب'' کے شیخ نے زخمی کر دیا تھا۔ لڑائیوں کی تاریخ میں یہ ایک بڑی لڑائی تھی جو لگ بھگ چالیس سالوں تک چلتی رہی، جس میں لوٹ پاٹ اور حملہ ہوتے رہے۔ اس بھیانک جنگ کا خاتمہ ''النذر'' کی مداخلت سے ہوا۔ غیر اسلامی عہد کی جنگوں میں سب سے پہلی مشہور جنگ ''الدھیز'' اور ''الغبرا'' ہوئیں۔ اس طرح دور جاہلیت میں جنگوں کا ماحول روزمرہ کی زندگی میں شامل حال رہتا تھا۔

دور جاہلیت میں ایک ہی قوم کے درمیان مال ودولت کے جھگڑوں کا حل عام محفل میں کیا جاتا تھا۔ ایک سے زیادہ قوموں کے بیچ کے معاملے کسی عقلمند شخص کے ذریعہ کیے جاتے تھے۔ ہر قبیلہ اور خاندان اپنے قبیلے یا خاندان کے کسی بھی فرد کی امداد کو ضروری سمجھتا تھا۔ خواہ وہ حق پر ہو یا ناحق پر۔ قبیلے کے ایک آدمی کا آواز لگا دینا لڑائی کے لیے کافی ہوتا تھا۔ اور اگر اس میں کوئی پہلو تہی کرتا تھا تو شعراء اس کی ایسی ہجو کرتے تھے کہ وہ اپنے رتبے سے گر جاتا تھا۔

جن قبیلوں سے عہد و معاہدہ ہو جاتا تھا ان کو حلیف کہتے تھے۔ ان کے ہر فرد کی مدد اپنے قبیلہ کے فرد کی حیثیت سے لازمی ہوتی تھی۔ یہ معاہدہ کبھی بذریعہ افراد ہوتا تھا اور کبھی رؤسائے قبائل کرتے تھے لیکن باوجود اس کے کبھی بھی ایک ہی قبیلے کی دو شاخوں میں لڑائی ہو جایا کرتی تھی جس کے متعدد اسباب ہوتے تھے۔ مگر دو سبب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

1. پہلا یہ کہ عربوں کی معیشت اور کاروبار کا دارومدار اونٹوں پر تھا۔ جن کے لیے وہ چراگاہوں اور پانی کے چشموں کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ جہاں ان کے مویشی چریں اور پانی پی سکیں لیکن کوئی ایسا قانون ان کے یہاں موجود نہیں تھا جن کی رو سے ان چشموں اور چراگاوں پر کسی کا حقِ ملکیت مسلم ہو۔ اس لیے انہیں مضافات پر چرواہوں میں جھگڑے ہوتے تھے اور پھر وہ ان کے مالکوں تک متعدی ہو جاتے تھے۔ کمزور فریق کبھی کبھی ترک وطن کرکے دوسری جگہ چلا جاتا تھا۔ اس کی اولاد میں سلسلہ در سلسلہ وہ عداوت کے قصے منتقل ہوتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جب اس میں خود یا حلیف قبائل کی مدد سے طاقت پیدا ہو جاتی تھی تو وہ آکر اپنے بزرگوں کا انتقام لیتا تھا۔
2. تنازع ریاست یعنی کبھی کسی قبیلے کا سردار مر جاتا اور اس کا بیٹا جانشین ہو جاتا تو اس کے بنی اعمام مقابلے کے لیے کھڑے ہو جاتے۔

اس طرح دونوں شاخوں میں باہم عداوت اور خصومت ہو جاتی۔ جیسے مدینہ کے قبائل ''اوس''اور ''خزرج'' میں تھی۔

انہیں اسباب میں سے ایک ہی باپ کی اولادوں میں بڑی بڑی خوں ریز لڑائیاں ہو جایا کرتی تھیں اور ملک میں کوئی ایسی طاقت موجود نہ تھی جو ان جھگڑوں کا فیصلہ کرتی۔ اس لیے عرصہ دراز تک ان خصومتوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ شعراء کی زبانیں دونوں طرف سے اس آگ پر تیل ڈالتی تھیں۔ اور ہر ایک دوسرے کے معائب بیان کر کے اس کی تحقیر کی کوشش کرتا تھا۔ شعرائے عرب کے مجموعہ اشعار پر نظر ڈالنے سے اہل عرب میں زیادہ تر عیب ہی عیب نظر آتے ہیں۔ یہاں تک کی جن قبائل کی شرافت عام طور پر مسلم تھی وہ بھی ان گمراہوں کی زبان سے بے داغ نہیں بچے ہیں۔ چونکہ اس قسم کی عداوتیں اکثر قبیلوں میں رہتی تھیں اس وجہ سے ان میں باہمی لڑائی کے لیے کسی قوی سبب کی ضرورت نہیں پڑتی تھیبلکہ تھوڑی سی تحریک پر بہت سے بچے یتیم اور بہت سی عورتیں بیوہ ہو جایا کرتی تھیں۔

8.7 عربوں کے مذہبی حالات

بدوی عرب میں بدویت جس قدر زیادہ ہوتی تھی، اسی قدر ان کا مذہب محدود اور نچلا ہوتا تھا، بدوی شخص، مذہبی معاملات میں گہرائی تک جانے والا اور غور و فکر کرنے کا عادی نہیں تھا۔ سیدھے سیدھے جو بات اس کو معلوم ہو جاتی یا وہ جو کچھ سیکھ لیتا پختگی سے اس کا پابند ہو جاتا۔ دلیل اور تاویل کی اس کو ضرورت نہیں تھی اپنے مزاج اور نسلی خصوصیات کی بنا پر جس چیز کو وہ مانتا، اس پر وہ پوری طرح سختی کے ساتھ قائم رہتا تھا، اور اس سے تغیر اس کے لیے آسان نہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عام طور پر اپنے قبیلے کے اعتقادات و رسوم کا سخت پابند ہوتا، اور ان کو چھوڑنا اس کے لیے مشکل ہوتا، وہ اس کے علاوہ دوسری باتوں کو بہت کم توجہ سے سنتا اور ان پر مشکل سے ایمان لاتا تھا۔

اسی خصوصیت کی طرف قرآن مجید میں یہ اشارہ ملتا ہے۔ ''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ کُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا یَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ'' یہی وجہ ہے کہ جزیرۃالعرب میں مذہب کی سب سے زیادہ سطحی شکل یعنی بت پرستی عام تھی، اور اس کے علاوہ دوسرے مذاہب نسبتاً قلیل تعداد میں اور کمزور پائے جاتے تھے۔ جزیرۃالعرب میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے بت پرستی کے علاوہ مشہور مذاہب میں سے چار مذہبوں کا ایک حد تک رواج تھا، اور وہ تھے عیسائیت، یہودیت، مجوسیت اور صابئیت۔

یوں تو زیادہ تر عرب بت پرست تھے۔ وہ اللہ کو حاکم مطلق مانتے تھے اور تمام مسودات کے شروع (اوپر) اللہ کا نام ہوتا تھا لیکن اللہ عبادت کے لیے نہ تھا۔ قرآن میں تین مشہور بتوں کا نام لات، منات اور عزّا۔ اللہ کی بیٹیاں ہونے کی حیثیت سے شفاعت کے لیے ان کی مدد کی جاتی۔ دوسرے قبیلوں کے بتوں کے نام گنانا لاحاصل ہو گا۔ تقریباً آٹھ سو بت یا ان کی شبیہ کعبہ میں گنجائش کی کمی کے باوجود رکھے گئے تھے لیکن ان میں سے صرف ''ھبل'' کا ایک مجسمہ تھا۔ ''کسی ایک بت کی جانب پر خلوص اعتقاد کی شہادت کہیں نہیں ملتی۔'' ما قبل اسلام کے عربوں کا کوئی کوئی ذہبی صحیفہ نہ تھا اور نہ کوئی سوچا سمجھا علم الاصنام (دیومالا)۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی آبادیاں مختلف مقامات پر تھی لیکن مشرک عربوں میں یہودیوں یا عیسائیوں کی جانب مخالفانہ جذبات نہ تھے۔ جہاں تک اسلاف کی دعوت کا تعلق ہے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عرب

خواہ وہ عیسائی ہوں یا مشرک وہ اپنے اسلاف کے مذہب کے پابند تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے روایتی خیالات میں خلل پڑے اور ان کے بزرگوں پر بہتان باندھا جائے۔ مشرک عربوں کا گو اپنے بتوں پر مکمل اعتماد نہیں تھا، پھر بھی وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کا وجود نہ رسلیم کیا جائے۔ علاوہ اس کے وہ پیغمبر کے مطالبہ کو ناپسند کرتے تھے کہ ہر یقین کو عربوں کی تاریخ کے پیش نظر بہت غور و فکر اور تحسین کے ساتھ قبول کیا جائے۔

اہل عرب زیادہ تر بت پرستی پر یقین رکھتے تھے۔ اور جزیرۃ العرب میں انہیں کی اکثریت اور غلبہ تھا عرب اول اول بت پرست نہ تھے۔ ان میں بت پرستی سب سے پہلے اس وقت آئی جب ان میں کا ایک شخص جس کا نام عمرو بن لحیہ تھا ملک عرب سے باہر کسی غرض سے گیا وہ وہاں سے بت پرستی دیکھ کر اور پسند کر کے واپس آیا۔ اس نے بت پرستی کی ابتدا کی جو آہستہ آہستہ سارے عرب میں پھیل گئی۔ قبیلے قبیلے نے اپنے مخصوص بت کو وہاں رکھنا ضروری سمجھا، اس طرح سے کعبہ بتوں سے بھر گیا۔ کعبہ میں بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ (360) بتائی جاتی ہے۔ اور یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ بت مختلف قبائل کے دیوتاؤں کی نمائندگی کرتے تھے۔ عمرو بن لحہ نے جو بت لاکر نصب کیا تھا اس کا نام ہی ''ھبل'' تھا اور بتایا جاتا ہے کہ بنی اسمٰعیل میں بت پرستی اس طرح آئی کہ ان میں کوئی شخص جب مکہ سے ہجرت کرتا تو اپنے ساتھ احتراماً و تقدیساً کعبہ کا ایک پتھر لے لیتا اور مکہ کے باہر اس کی عبادت کرتا اور اس کا طواف کرتا لیکن بعد کے نسلوں نے پتھروں کی عبادت مستقل مذہب بنا لیا، اور پھر ان کی بُت پرستی پتھروں ہی تک محدود نہیں رہی بلکہ بہت وسیع طریقوں سے عام ہو گئی۔ بعض لوگ اپنے جذبہ کی تسکین ہر جا و بے جا چیز کی عبادت کر کے کر لیا کرتے تھے۔ عدنانی قبائل کے تین بڑے بت تھے۔ ایک کنانہ و قریش کا مشترک بت عزّیٰ، دوسرا قریش کا خاص بت ''ھبل'' تھا تیسرے ثقیف کا بت ''لات'' قریش کا اصل بت ''ھبل'' تھا وہ کعبہ کے اندر نصب تھا۔ اور قرب و جوار کے بتوں میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا۔ وہ عقیق سرخ کا بنا ہوا تھا، اور شکل انسان کی تھی، دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا تھا جس کو قریش نے سونے کا بنا کر لگایا تھا۔ قریش و کنانہ کا مشترک بت ''عزّیٰ'' تھا ''عزیٰ'' مکہ سے ایک رات ک مسافت کی دوری پر مقام ''نخلہ'' میں ایک درخت تھا ''النخلہ'' اس علاقے میں دو تھے ایک النخلہ الشامیہ -النخلہ الیمانیہ۔ قبیلہ ثقیف کا بت لات تھا جو طایف میں نصب تھا۔ اوس اور خزرج کا بت ''مناۃ'' تھا جو مقام ''قُدید'' میں نصب تھا۔ قُدَید مکہ سے و مدینہ کے درمیانی راستہ پر ایک شاداب گاؤں تھا۔

کعبہ کے سامنے زمزم کے پاس اساف و نائلہ دو مشہور بت تھے۔ ان کے علاوہ مکہ میں ایک اور چھوٹا بت تھا جس کو مناف کہا جاتا تھا۔ ان بتوں کے علاوہ جزیرۃ العرب کے دوسرے مختلف قبائل میں حسب ذیل خاص خاص بت متعین تھے۔ یمن میں اہل جرش کا ''یغوث'' خیوا میں ''حمدان'' کا ''یعوق'' قبیلہ بنو الکلاع، حمیری کا نشتر، دومۃ الجندل میں، ہذیل کا ''سُوَاع'' وغیرہ۔ عرب اپنے بتوں کی سیٹی اور تالیاں بجا کر عبادت کرتے تھے۔ قرآن مجید میں ''وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً''۔ کچھ بتوں کا طواف کیا جاتا تھا ایسے بت دوار کہلاتے تھے۔ بتوں کے لیے قرآن مجید میں اصنام، اوثان اور تماثیل تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ عربوں کو بتوں کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ جب کوئی بت نہیں ملتا یا سفر میں ہوتے تو کسی بھی چیز کا بت بنا لیا کرتے، مثلاً ریت پر بکری کا دودھ ڈال کر گولہ بنا لیتے اور بعض تو پیشاب سے یہ کام لیتے اور کام نکال کر پھینک دیتے۔ کبھی مٹھائی کا بت بنا لیتے اور بعد میں کھا لیتے۔

کلبی کا بیان ہے کہ کوئی شخص سفر میں کسی نئے مقام پر اترتا تو چار پتھر لے آتا اور جو پتھر اچھا معلوم ہوتا اس کو معبود قرار دے دیتا۔ وہ بتوں کو لامحدود طاقت و قدرت کے خدا سمجھتے تھے۔ اصل اور سب سے بڑی قدرت کا مالک وہ بھی اللہ تعالی کو سمجھتے تھے لیکن اس کی قدرت و خدائی میں اپنے بتوں کو شریک و معاون اور نمائندہ سمجھتے تھے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات کے بیان سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ بتوں کے علاوہ فرشتوں اور جنوں کی پرستش بھی کرتے تھے۔ کلبی کا بیان ہے کہ قبیلہ خزیمہ کی ایک شاخ بنو ملیح تھی جو جنوں کی پرستش کرتی تھی۔ فرشتوں کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اس لیے ان سے شفارش کے طلبگار ہوتے، ان کی پرستش کرتے اور ان کو وسیلہ بناتے۔ اس کے علاوہ کچھ قبائل ستارہ پرست بھی تھے۔ ایک رویت یہ بھی ہے کہ قبیلہ حمیر آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔ بنو کنانہ کا قبیلہ چاند کا پرستار تھا بنو تمیم زہران ستارہ کی نحم وجذام مشتری کی، قبیلہ طے سہیل کی، بنو قیس ''شعری'' اور بنو اسد عقد کی پرستش کرتا تھا۔ بنی حنیفہ نے اپنا ایک بت حیس (کھجور اور گھی سے ملا کر) بنا رکھا تھا جس کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ایک سال جب قحط پڑا تو وہ اس کو نوش کر گئے، چنانچہ ایک شاعر ان کی نسبت کہتا ہے کہ:

اَکَلتْ حَنِیفَةُ رَبھُّمْ عَامَ التَقَحُّم والمَجَاعةِ

لَمْ یَحْذَرُو ا مِنْ رَبّھِمْ سُوء العَوّقِبِ وَالبَتَاعَۃِ

بنی حنیفہ نے قحط سالی کے ایام میں اپنے رب کو کھالیا اور اپنے خدا کا مطلق اندیشہ نہ کیا کہ انجام کار کیا ہوگا نہیں کیا سزا ملے گی۔ مختصرا یہ لوگ بت پرستی میں پوری طرح ملوث تھے اور اپنی تمام تر حاجتیں اور امیدیں انہیں بتوں سے رکھتے تھے اور وہ اس میں کسی طرح کی تبدیلی یا دخل اندازی پسند نہیں کرتے تھے۔ اسلام کی آمد کے بعد بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا۔ آج تقریباً پورے عرب میں اسلام اکثریت کا مذہب ہے۔ یہاں پر کچھ یہودی اور عیسائی بھی پائے جاتے ہیں۔

8.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچے کہ زمانہ جاہلیت کے اس دور کے عربوں کے بارے میں خود عرب مورخین جیسے ابن ھشام، طبری اور ابن خلدون نے اور یونانی اور یہودی مورخین نے اہم تفصیلات پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ذکر تورات میں بھی آیا ہے۔ مگر ان سب روایتوں میں بڑا اختلاف ہے۔ اسی لیے اس زمانہ کی تاریخ حالات اور کوائف کے متعلق کوئی بات قطعیت کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی ہے، سوائے ان واقعات اور تذکروں کے جن کا ذکر قرآن شریف میں اور حدیث شریف میں آیا ہے۔ واضح رہے کہ ہم جس دور کی تاریخ کا مطالعہ کر رہے ہیں ٹھیک آج کے دور کی طرح اس دور میں بھی افراد تھے۔ جن میں اچھے اور برے سب لوگ تھے۔ جہاں ان کے اچھے اخلاق و عادات کا تذکرہ ہے۔ اس سے یہ مطلق نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ برائی پورے سماج میں تھیبلکہ ہر دور اور ہر زمانے میں اچھے اور برے لوگ پائے جاتے تھے۔ اسی طرح دور جاہلیت میں بھی تھا بلکہ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ زمانہ جاہلیت کی بعض اچھی خصلتوں کو اسلام نے بھی باقی رکھا اور اس کا خیر مقدم کیا۔

8.11 فرہنگ (Glossary)

بدوی عرب	:	دیہاتی عرب
حضری عرب	:	وہ عرب جو شہری زندگی گزارتا تھا
فال نکالنا	:	تیروں کے ذریعہ اپنی قسمت یا مستقبل کا حال جاننا۔
دیت	:	خون بہا، وہ رقم جو کسی جرم کے بدلے میں ادا کی جائے۔
درہم	:	عربوں میں رائج خالص سونے کا سکہ
دینار	:	عرب میں رائج چاندی کا سکہ
صاع	:	ناپنے کا ایک پیمانہ
فجار	:	رمضان میں لڑی گئے جنگ جو حرام کے مہینے میں لڑی گئی تھی۔
حلیف	:	معاون یا مددگار

8.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. طبعی لحاظ سے ملک عرب کو کتنے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے؟

(الف) تین (ب) چار (ج) پانچ (د) چھ

2. 'عربِ مستعربہ' (بنو عدنان) کن کی اولاد سمجھے جاتے ہیں؟

(الف) حضرت اسماعیل (ب) یعرب بن قحطان (ج) سام بن نوح (د) قومِ عاد

3. خانہ بدوش عربوں کو کیا کہا جاتا تھا جو چراگاہوں کی تلاش میں خیموں میں رہتے تھے؟

(الف) حضری (ب) بدوی (ج) قریش (د) مستعربہ

4. بدوی سماج میں قبیلے کے سردار کو کیا کہا جاتا تھا؟

(الف) امیر (ب) سلطان (ج) شیخ (د) خلیفہ

5. قبیلہ قریش کا سب سے بڑا اور خاص بت کون سا تھا جو کعبہ کے اندر نصب تھا؟

(الف) لات (ب) منات (ج) عزّیٰ (د) ھبل

8.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. عربِ بائدہ سے مراد کون لوگ ہیں؟
2. عربِ مستعربہ کی وضاحت کیجیے۔
3. بدوی اور حضری عرب کی وضاحت کیجیے۔

8.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. جزیرۂ عرب کی جغرافیائی حالات بیان کرتے ہوئے وہاں کے موسم اور آب وہوا پر روشنی ڈالیں؟
2. عربوں کی سماجی زندگی کیسی تھی؟ وضاحت کریں۔

تجویز کردہ اکتسابی مواد

Suggested Learning Resources

English Books

1. Alf Hiltebeitel. *Rethinking India's Oral and Classical Epics: Draupadi among Rajputs, Muslims, and Dalits*. University of Chicago Press, 1999.
2. Altekar, Anant Sadashiv. *The Rashtrakutas And Their Times; being a political, administrative, religious, social, economic and literary history of the Deccan during C. 750 A.D. to C. 1000 A.D*. Oriental Book Agency, 1934.
3. Anita Sudan. *A study of the Cahamana inscriptions of Rajasthan*. Research, 1989. [3]
4. Asher, Catherine B and Talbot, Cynthia. *India Before Europe*. Second ed. Cambridge University Press, 2023.
5. Asopa, Jai Narayan. *Origin of the Rajputs*. 1st ed. Bharatiya Pub. House, 1976.
6. Avari, Burjor. *India: The Ancient Past. A History of the Indian-Subcontinent from 7000 BC to AD 1200*. Routledge, 2007.
7. Bagchi Jhunu. *The History and Culture of the Pālas of Bengal and Bihar, c.750 A.D.–c.1200 A.D*. Abhinav Publications, 1993.
8. Chattopadhyaya, Brajadulal. "Origin of the Rajputs: The Political, Economic and Social Processes in Early Medieval Rajasthan". *The Making of Early Medieval India*. Oxford University Press, 1994.
9. Chopra, P.N.; Ravindran, T.K.; Subrahmanian, N. *History of South India (Ancient, Medieval and Modern) Part 1*. Chand Publications, 2003.
10. Eaton, Richard M. *India in the Persianate Age: 1000-1765*. Penguin Books Limited, 2019.
11. Fox, Richard Gabriel. *Kin, Clan, Raja, and Rule: State hinterland Relations in Preindustrial India*. University of California Press, 1971.
12. Ganguly, D. C. "Origin of the Pratihara Dynasty". *The Indian Historical Quarterly*, Vol. XI, 1935. pp. 167–168.
13. Harlan, Lindsey. *Religion and Rajput Women: The Ethic of Protection in Contemporary Narratives*. Univ of California Press, 2018.
14. Har Bilas Sarda. *Speeches And Writings Har Bilas Sarda*. Vedic Yantralaya, 1935.
15. Iqtidar Alam Khan. *Historical Dictionary of Medieval India*. Scarecrow Press, 2008.
16. Ludden, David. *An Agrarian History of South Asia*. Cambridge University Press, 1999.
17. Majumdar, R. C. "The Gurjara-Pratiharas". In R. S. Sharma and K. K. Dasgupta (eds.), *A Comprehensive history of India: A.D. 985–1206*, vol. 3 (Part 1). Indian History Congress / People's Publishing House, 1981.
18. Majumdar, R.C. *The Age of Imperial Kanauj*. First ed. Bharatiya Vidya Bhavan, 1955.
19. Majumdar, R.C. *The Struggle for Empire*. Bharatiya Vidya Bhavan, 1966.
20. Mishra, V. B. "Who Were the Gurjara-Pratīhāras?". *Annals of the Bhandarkar Oriental Research Institute*, 1954. pp. 42–53.
21. Monahan Francis John. *The Early History of Bengal*. Bhartiya Pub. House, 1974.

22. Paul Pramode Lal. *The Early History of Bengal. Indian History*. Vol. 1. Indian Research Institute, 1939.
23. Puri, Baij Nath. *The History of the Gurjara-Pratiharas*. Munshiram Manoharlal, 1986 [first published 1957].
24. Reu, Pandit Bisheshwar Nath. *History of the Rashtrakutas (Rathodas)*. Publication Scheme, 1997 [1933].
25. Sailendra Nath Sen. *Ancient Indian History and Civilization*. New Age International, 1999.
26. Sastri, Nilakanta K.A. *A history of South India from prehistoric times to the fall of Vijayanagar*. Oxford University Press, 2002 [1955].
27. Satish Chandra. *Medieval India: Society, the Jagirdari Crisis, and the Village*. Macmillan, 1982.
28. Sengupta Nitish K. *Land of Two Rivers: A History of Bengal from the Mahabharata to Mujib*. Penguin Books India, 2011. pp. 39–49.
29. Sharma, Dasharatha. *Early Chauhān Dynasties*. S. Chand / Motilal Banarsidass, 1959.
30. Sharma, Dasharatha. *Rajasthan through the Ages*. Rajasthan State Archives, 1966.
31. Sharma, Shanta Rani. *Origin and Rise of the Imperial Pratihāras of Rajasthan: Transitions, Trajectories and Historical Change*. First ed. University of Rajasthan, 2017. pp. 77–78.
32. Singh, R. B. *History of the Chāhamānas*. N. Kishore, 1964.
33. Singh, R. B. *Origin of the Rajputs*. 1st ed. Sahitya Sansar Prakashan, 1975.
34. Singh, Upinder. *A History of Ancient and Early Medieval India: From the Stone Age to the 12th Century*. Pearsons Education, 2008.
35. Singh, Upinder. *Ancient Delhi*. Oxford University Press, 1999.
36. Talbot, Cynthia. *The Last Hindu Emperor: Prithviraj Cauhan and the Indian Past, 1200–2000*. Cambridge University Press, 2015.
37. Tripathi, Rama Shankar. *History of Kanauj: To the Moslem Conquest*. Motilal Banarsidass, 1959.
38. Vaidya, Chintaman Vinayak. *Early History of Rajputs (750 to 1000 A.D.)*. Gyan Publishing House, 2018.
39. Vanina, Eugenia. *Medieval Indian Mindscapes: Space, Time, Society, Man*. Primus Books, 2012.
40. Wink, André. *Al- Hind: The slave kings and the Islamic conquest*. Vol. 1. BRILL, 1990.

اردو کتب

1. اسلم جیراج پوری .تاریخ الامت
2. اکبر شاہ نجیب آبادی .تاریخ اسلام
3. ابن خلدون .مقدمہ ابن خلدون
4. پروفیسر عبدالحلیم .تاریخ ادب عربی .

5. رابع الحسنی ۔جزیرۃ العرب
6. طبری ۔تاریخ طبری
7. فلپ کے حتی ۔تاریخ ملت عربی
8. فلپ کے حتی ۔عرب اور اسلام ۔
9. محمد طلعت حرب ۔تاریخ دول العرب والاسلام
10. معین الدین ۔تاریخ اسلام

اہم نکات

اہم نکات